U 34605 Date- 5-1-10

Title – ~~Risala~~ RISALA AKHLAQIYAAT.

Creator – Meer Wali Uddin.

Publisher – Jamia Usmania (Hyderabad).

Date – 1946.

Pages – 163.

Subjects – Akhlaqiyaat.

رسالۂ اخلاقیات

برائے جماعت دہم

مولفہ

ڈاکٹر میر ولی الدین

سلسلۂ کتب درسیۂ سررشتۂ تعلیمات

سرکار نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

رسالۂ اخلاقیات

دسویں جماعت کیلئے

منظورۂ

مجلس نصاب تعلیم ثانوی

سنہ ۱۳۵۵ف م ۱۹۳۶ء

مؤلفۂ

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹر ایٹ لا
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

قیمت (۲۰۰)

فہرست عنوانات

ز

دیباچہ

دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت شے اور سب سے زیادہ گران قدر اور عزیز شئے پاک سیرت ہے! ہماری زندگی ایک تربیت گاہ ہے حق تعالیٰ ہمارے معلم اور استاد ہیں روزمرہ کے واقعات اور حادثات وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کر رہے ہیں! دنیا کی "روح ساز وادی" میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں! ہماری اس دنیوی زندگی کا مقصد ہی یہ نظر آتا ہے کہ سیرت کو سنوارا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے! کیوں؟ اس لئے کہ سیرت ہی پر دنیوی کامیابی کا انحصار ہے، سیرت ہی پر فوز آخرت کا مدار ہے، دین و دنیا کی صلاح سیرت ہی کی اصلاح سے ہو سکتی ہے، سیرت ہی پر جسمانی اور روحانی صحت مبنی ہے اور راحت قلب اور طمانیت خاطر پاک سیرت ہی کا نتیجہ ہیں! جو انسان پاک سیرت نہیں وہ صورت میں تو انسان ہے لیکن حقیقت میں حیوان ہے! دین و دنیا آخرت کی حقیقی قیمتوں اور نعمتوں سے محروم ہے!

انسان ہے وہی جس میں ہو انسان کی سیرت ہیں یوں تو ہزاروں نظر انسان کی صورت

سیرت کی تحلیل کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عادتوں کی تنظیم کا نام ہے، اچھی عادتوں کے قائم کرنے سے اچھی سیرت بنتی ہے اور بری عادتیں بری سیرت پیدا کرتی ہیں۔ خود عادت افعال کی تکرار کا نام ہے جب کوئی فعل بار بار دہرایا جاتا ہے تو وہ طبیعت ثانی بن جاتا ہے اسکا

کرنا آسان ہو جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر صادر ہونے لگتا ہے اسی کو فعل عادی کہتے ہیں عادت کے قیام کے پہلے تمام افعال کسی محرک کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں لیکن محرکات کا ماخذ وہ یقینات ہوتے ہیں جو انسان زندگی کے تجربات، ماحول کے اثرات، تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ علم و یقین، عمل و عادات یہ وہ اہم عناصر ہیں جن سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے۔

پیش نظر رسالے کا مقصود "سیرت سازی" ہے علم و یقین کے ذریعہ عمل کو درست کر کے اچھی عادتوں کا پیدا کرنا اور اس طرح پاک سیرت کا قیام اس کی حقیقی غایت ہے۔ اخلاق کے ان بنیادی اصول کو جن کا جاننا عمل کی اصلاح اور عادتوں کی تطہیر کے لئے نہایت ضروری ہے یہاں سیدھی سادھی زبان میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ان کو بار بار پڑھنے، ان پر سکون کے ساتھ غور و فکر کرنے، ان کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتارنے اور ان پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے سے وہ نعمت حاصل ہو سکتی ہے جو زندگی کو بامراد و کامیاب بنا سکتی ہے، رنج و غم، پریشانی و بدحالی، حسرت و اندوہ سے نجات دلا سکتی ہے، سرور و طمانیت سے قلب کو منور کر دیتی ہے۔ نیک سیرت انسان ہی دنیا میں مسرور و مطمئن ہوتا ہے، اس کی جان، اس کا تن راحت میں ہوتا ہے، وہ قطرۂ نور ہوتا ہے، غم سے فارغ اور دائماً مسرور ہوتا ہے، یہ روحانی مسرت ہے جو طبعی غم و حزن میں بھی باقی رہ سکتی ہے! جس نے اپنی سیرت کو سنوار لیا وہ کامیاب ہوا۔ اقبال کے الفاظ میں "خودی" کے انقلاب ہی سے کائنات میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے، انفس (خودی) اور آفاق (کائنات خارجی) کے اس تغیر ہی کے بعد انسان کمال کے اس زینہ پر پہنچ جاتا ہے جس کے حصول کے لئے اس کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا　　عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے
وہی شراب وہی ہائے ہو رہے باقی　　طریق ساقی و رسم کدو بدل جائے (اقبال)
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری　　مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

امرداد ۱۳۵۰ ف

میر ولی الدین، جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن

باب (۱)

استقامت و استقلال

دائم جوانم از مدد ہمت بلند[1]

معنی و مفہوم

استقامت کے لفظی معنی "سیدھا رہنے" یا "سیدھا چلے چلنے" کے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان جس بات کو حق سمجھتا ہو اس پر قائم رہے۔ اس کے قدم کو لغزش نہ ہو، راہ میں مشکلیں پیش آئیں، مخالفتیں ہوں، ستایا جائے، درد و غم کے بادل امنڈ آئیں لیکن حق سے نہ پھرے۔ اور اس راستہ پر ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ بڑھتا چلا جائے۔ زندگی میں کامیابی استقامت کے بغیر ممکن نہیں، کسی مقصود کا بھی حصول استقلال اور ثابت قدمی کے بغیر محال ہے!

مثال

فرض کرو کہ تمھیں ایک باغ لگانا ہے۔ باغ لگانے کا جوں ہی تم نے خیال کیا۔ سرسبز و شاداب پودے، نظر فریب پھول، لذیذ اور خوش ذائقہ پھل، ایک آن میں سب کچھ تو موجود نہیں ہو جاتے،

ان کے حاصل کرنے کے لئے تمھیں چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا جن کو باغبانی کے قوانین کہتے ہیں سب سے پہلے تم جگہ کی تلاش کروگے پھر اس کو ہموار اور پاک وصاف کروگے۔ اس میں تمھیں محنت کرنی پڑے گی۔ پھر تمھیں پھولوں یا ترکاریوں کے بیج کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ پھر اس عمدگی سے تیار کی ہوئی زمین میں تم انھیں بوؤگے۔ تمھیں اس امر کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ بیج عمدہ ہیں، ناقص نہیں۔ پھر موسم گرما میں تمھیں ان بیجوں کو پانی دینا پڑے گا تاکہ گرمی میں یہ جل نہ جائیں۔ اپنی حد تک کوشش صحیح طریقہ پر کر لینے کے بعد تم کو صبرو استقلال کے ساتھ انتظار کرنا پڑتا ہے کہ وقت مقررہ گذر جائے اور بالآخر پھل، پھول آئیں! اگر تم بے صبری سے بیجوں کو کھود کر دیکھنا چاہو کہ جل تو نہیں گئے تو پھر ان بیجوں کو نشو ونما کا موقع نہیں ملیگا! بعض وقعہ تمھیں سمجھ زیادہ دن انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر تم نے زمین کو اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجوں کے انتخاب میں غلطی نہیں کی ہے، آبیاری کی ہے تو تمھیں یقین رکھنا چاہیئے کہ ایک دن یہی بیج پودوں کی شکل میں دکھائی دیں گے اسی زمانہ میں تمھیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ باد و باراں آفتاب و حرارت بیجوں کے نشو ونما کے لئے ضروری ہیں، طوفان تک انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں۔ ساری کائنات اور کائنات کی ساری قوتیں ان کی مدد کر رہی ہیں۔

استنباطات دیکھو اس سادہ اور واضح مثال سے کامیاب زندگی کے چند نمایاں اصول تمھاری سمجھ میں آسکتے ہیں اور استقامت کا مفہوم واضح ہوسکتا ہے۔

(۱) کوشش ضروری

(۱) حصول مقصد کے لئے تمھیں سعی و کوشش، جد و جہد اور محنت کرنی لازمی اور ضروری ہے۔ اس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کو بمعمولاً اتنا ہی ملتا ہے جتنی اس نے کوشش کی، باغ لگانا ہو تو جگہ صاف کرنا، بیجوں کا انتخاب کرنا، بونا، پانی دینا سب ضروری اسباب ہیں جن کا اختیار کرنا قطعی ہے۔ ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

(۲) استقلال کی ضرورت

(۲) سعی و کوشش کے بعد اس اصول کا یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس دنیا میں جہاں ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے، چیزیں دفعۃً پیدا نہیں ہو جاتیں۔ ان کے ظہور میں کچھ وقت لگتا ہے۔ بیج بوتے ہی پھول نہیں رونما ہوتے، بچہ پیدا ہوتے ہی بولنے نہیں لگتا۔ یہاں صبر و استقلال، ثابت یا استقامت کی ضرورت ہے۔ عمل کے ساتھ ہی نتیجہ نہ پیدا ہونے پر مایوس اور ملول نہ ہونا چاہئے اور نہ ہی عمل یا کوشش سے باز رہنا چاہئے۔ جب فطرت کا اصول یہی ہے تو بے صبری اور اضطراب جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ سعی و کوشش اگر صحیح طریقہ پر کی جائے تو فطرت کی ساری قوتیں ہمارا ساتھ دیتی ہیں۔ ہمیں صرف ثبات و استقامت کے ساتھ اپنی جد و جہد کو جاری رکھنا چاہئے، صحیح طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے۔ ارادوں کو بلند رکھنا چاہئے اور مقصود پر نظر، تاکہ قدم کو لغزش نہ ہو اور ہاتھ نہ تھرائیں اور سعدی نے اسی لئے نصیحت فرمائی تھی۔

مشو ناتوانی ز رحمت بری   کہ رحمت برندت چو رحمت بری

(۳) مایوسی نامردی ہے

(۳) فرض کرو کہ تمھارے بیج آفتاب کی تمازت سے

جل گئے اور مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد بھی تم نے اپنی زمین سے حیات کے کوئی آثار نہیں دیکھے۔ اب تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟ تم میں استقلال و استقامت کا جوہر موجود ہو تو پھر زمین کو صاف کر کے عمدہ اور تازہ بیج بوؤ گے۔ اچھی طرح بیجوں کی آبیاری کرو گے۔ تم خوب جانتے ہو کہ محض آہ و بکا سے، فریاد و زاری سے، اپنی تقدیر پر آنسو بہانے سے، قوائے فطرت کو کوسنے سے تمہارا کام نہ بنے گا! مردہ بیجوں میں حیات کے آثار پیدا نہ ہوں گے تمہیں تازہ بیجوں کو پھر تازہ دم ہو کر بونا ضروری ہے اور اسی سے تمہارا مقصد حاصل ہوگا۔ اس کے سوائے کوئی اور چارہ کار نہیں! فطرت کا یہی قانون ہے کہ حصول مقصد میں ناکامی ہو تو بجائے یاس اور ترک عمل کے استقلال اور استقامت سے کام لے کر دوبارہ عمل کرنا چاہئے۔ سعی و کوشش میں نئی قوتوں سے کام لینا چاہئے مولانا روم نے اس قانون کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

جہد کن جدی تمانا وارہی — ورنہ تو از جہد کش بمانی الٰہی [۳]

ان قوانین کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد تاریخ عالم پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان ہی قوانین کی پابندی سے ہمت والوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔

تاریخ عالم سے ہمت والوں کے استقلال کی مثالیں

پیغمبر اسلام

پیغمبر اسلام نے سچے دین کی اشاعت میں کتنے مصائب برداشت کئے! عرب کا گرم ریگستان دین حق کی مخالفت میں غیظ و غضب کا بھڑکتا ہوا تنور بن گیا تھا۔ ذرہ ذرہ کی زبان سے رسول اللہ کی دشمنی کی آواز نکل رہی تھی اور عرب کی وسیع سرزمین

مسلمانوں پر دم بدم تنگ ہو رہی تھی لیکن رسول اسلام نے دین حق میں ایک آن کے لئے کوتاہی نہیں کی، صبر و استقامت کے ساتھ اپنا فریضہ ادا کیا۔ ہر خوف و خطر کو اپنے دل سے نکال کر اپنا کام جاری رکھا، اذیت و تکلیف برداشت کی، رنج و غم، حزن و محن سہے لیکن مخالفوں کی کسی خواہش کی پروا نہیں کی اور راہ حق پر چٹان کی طرح جمے رہے بالآخر فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے اور دین حق کا بول بالا ہوا۔

سقراط | سقراط یونان کے مشہور فلسفی اور ناصح نے اپنے ملک کے نوجوانوں کے اخلاق کی اصلاح کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیا تھا۔ وہ بغیر کسی اجرت و معاوضہ کے شب و روز نیکی کی تلقین کیا کرتا تھا، اخلاقی تصورات کی تشکیل میں مصروف رہتا تھا اور اپنے ناقابل تقلید طریقہ سے ان کو نوجوانوں کے ذہنوں میں بٹھاتا جاتا اور ان کے دلوں کے زنگ کو دور کرتا جاتا تھا۔ مخالفین نے اس پر الزام لگایا کہ وہ نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کرتا ہے محض سوفسطائی ہے، طرح طرح کے آزار پہنچائے لیکن سقراط نے صبر و استقامت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔ خوش دلی کے ساتھ سختیاں برداشت کیں، بالآخر ان ہی ظالموں کے ہاتھ آپ کی موت واقع ہوئی۔ جام شہادت پی کر زندگانی جاوید پائی۔

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا!

قانون ابتلاء | حق کی راہ میں مشکلات کا پیش آنا اور اس پر مردان خدا کے صبر و استقامت کی آزمائش "قانون ابتلا" کہلاتا ہے اور یہ وہ قانون ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور قائم رہے گا۔ منفعت پرستی زیادہ

اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں اسی قدر ان کے حصول میں زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں اسی قدر زیادہ استقلال اور ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابتلاء کا مقصد زندگی کو ختم کر دینا نہیں ہوتا بلکہ خودی کی پختگی ہوتی ہے، سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، حیات کی زیادتی ہوتی ہے، قوت کی توفیر ہوتی ہے۔ مصائب کے مقابلہ ہی سے ہماری قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے، اخلاقی عضلات مضبوط ہوتے ہیں سیرت کے نقائص دور ہوتے ہیں، قلب کی ظلمت رفع ہوتی ہے۔ نفس پاک ہوتا ہے جس طرح سونا بھٹی میں جل کر نکھرتا ہے، اس کی کھوٹ دور ہوتی ہے، اسی طرح مصائب و آلام ہماری اخلاقی خامیوں کو دور کرتے ہیں، ہمارے رخ کو نور کی طرف پھیرتے ہیں، ہمیں نفس کی تاریکیوں سے نجات دلاتے ہیں۔ ہمیں خلق سے توڑ کر حق سے جوڑ دیتے ہیں۔

حق کی راہ میں مصائب اس لئے بھی نازل ہوتے ہیں کہ طیب (اچھے) کی خبیث (برے) سے تمیز ہو جائے۔ مرد اور نامرد میں امتیاز ہو جائے، سختیوں اور آفتوں میں مردِ حق ہی کے قدم راہ حق میں مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے ہیں، نامرد بھاگ کھڑا ہوتا ہے، مرد کے جوہر کھلتے ہیں، نامرد کا بھانڈا پھوٹتا ہے!

زندگی میں کامیابی کے لئے ہر قدم پر استقلال اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ استقامت ہی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں، عقدے کھلتے ہیں، قوت حاصل ہوتی ہے، کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ طبیعت میں استقامت نہ ہو تو کسی مقصد کی تکمیل بھی ممکن نہیں، ایسا شخص ہر کام میں ہاتھ ڈالتے گھبراتا ہے ذرا ذرا سی دقتوں کے برداشت

کرنے سے دم چراتا ہے اس کا ارادہ ضعیف ہوتا ہے، اس کا قلب ناتوان ہوتا ہے، اس کی مثال ایک تنکے کی سی ہے، ہوا کا ہر جھونکا اس کو اپنی جگہ سے دور اڑا لے جاتا ہے۔ ناکامی و نامرادی اس کی تقدیر ہے! کیونکہ پاتا وہی ہے جو تلاش کرتا ہے، محنت اٹھاتا ہے، مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے۔ ع کہ یابندگان جویندگان است

روزولٹ

ذرا امریکہ کے شہرہ آفاق پریسیڈنٹ روزولٹ کی زندگی پر غور کرو۔ آٹھ سال کی عمر میں وہ ایک نہایت کمزور ناتوان لڑکا تھا جس کے چہرہ پر خوف کے آثار طاری تھے۔ جب اس کو جماعت میں نظم پڑھنے کے لئے کہا جاتا تو وہ اٹھ کھڑا ہوتا اور اس کے گھٹنے کانپنے لگتے، ہاتھوں میں رعشہ ہوتا، کچھ سنا نہ سکتا اور سخت اضطراب کی حالت میں بیٹھ جاتا صورت وشکل کے لحاظ سے بھی وہ بدنصیب تھا اس کے دانت آگے کی طرف نکلے ہوئے تھے لیکن فطرت نے اس لڑکے کو ارادے اور استقلال کی دولت عطا کی تھی۔ باوجود اپنی کمزوریوں کے وہ زندگی میں ناکام و نامراد رہنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اپنے نقائص کو رفع کرنے کا ارادہ کر لیا اور وہ سب طریقے استعمال کرنے شروع کر دیے جو ہر شخص کے اختیار میں ہوتے ہیں اس کو یقین تھا کہ خدا مجاہدین کا ساتھ دیتا ہے اور ان کے عمل کو، ان کی سعی و کوشش کو ضائع نہیں کرتا! خدا پر بھروسہ، اپنی فطری صلاحیتوں کا عقل و حکمت کے ساتھ استعمال اور ثابت قدمی اور پامردی میں وہی قوت ہوتی ہے جو قدرت کے اٹل قوانین میں ہوتی ہے چنانچہ صبر و تحمل، عزم و استقلال، ثبات و استقامت ہی کو کام میں لاکر اس نے اپنے اندر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر لیا۔ چند ہی سال میں لوگوں کو اس میں کوئی عیب نظر نہیں آنے لگے۔

اور وہ اس سے محبت کرنے لگے اس سے اور اس کی تمام خصوصیات سے بالآخر وہ اپنے ملک کا محبوب ترین صدر جمہوریہ بن کر رہا۔ وہ صدر جس کو ملک نے چار مرتبہ منتخب کیا جو امریکہ کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔

ولیم پٹ | ولیم پٹ انگلستان کا شہرۂ آفاق سیاست داں ابھی برطانیہ کا وزیر خارجہ تھا۔ کہ ایک امیر البحر اس کے ہاں یہ شکایت لے آیا کہ جو کام اس کے تفویض کیا گیا وہ قطعاً ناممکن ہے! پٹ نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ "جناب میں تو ناممکنات ہی پر چلا کرتا ہوں!" یہ ہیں جرأت کے کلمات یہ اسی قلب سے نکل سکتے ہیں جو اپنے مقصود کے حصول میں مشکلات کی پرواہ نہیں کرتا، ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ آگے قدم بڑھاتا جاتا ہے اور مقصود کو پاکر ہی دم لیتا ہے۔

ڈیماستھی نس | استقامت کی کیا ہی عمدہ مثال یونان کے اس عظیم الشان سیاست داں نے پیش کی ہے جس نے حضرت مسیح کی پیدائش سے تین سو سال قبل یونان میں جنم لیا تھا۔ ڈیماستھی نس (Demosthenes) کی آواز کمزور تھی، وہ تتلاتا تھا۔ جلدی ہانپ جاتا تھا۔ اور (ر) کا تلفظ تو خاص طور پر اس کے لئے مشکل تھا۔ وہ اس کو کسی طرح ادا ہی نہیں کر سکتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی ان کمزوریوں کو اپنے منہ میں گول سنگریزے رکھکر دور کیا، پہاڑی پر نظم پڑھتے چڑھتا۔ اور نظم پڑھتے اترتا۔ ایک سانس میں کئی سطر ادا کرنے کی کوشش کرتا۔ اور آئینہ کے سامنے کھڑا ہو کر تقریر کرتا تاکہ طرز ادا کا نقص دور ہو۔ ایک سے زیادہ مرتبہ اس نے تقریر کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جب پہلی مرتبہ تقریر کرنے کھڑا ہا تو آواز اس کے حلق میں سوکھ گئی اور سامعین کے قہقہوں نے

جسم کے خون کو خشک کر دیا! اس نے ایک تہ خانہ میں پناہ لی اور ہر روز تقریر کی مشق شروع کر دی۔ دو دو تین تین مہینے وہ تہ خانہ سے باہر نہیں نکلتا تھا اس نے اپنا آدھا سر منڈا لیا تھا تا کہ شرم کے مارے لوگوں کے سامنے جا نہ سکے اور مشق میں خلل نہ آ سکے۔

علوئے ہمت و استقامت اس طرح مشکلات کو دور کرتی ہے۔ ڈیماستھی نس کی استقامت نے آخر اس دنیا کو ایک عظیم الشان مقرر بنا دیا۔

ارباب ہمم را چہ غم از بے پر و بالیست
بال و پر ایں طائفہ از ہمت عالیست

مداومت | استقامت کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس خوبی یا بھلائی کے کام کو اختیار کیا جائے اس پر مرتے دم تک مداومت رہے' اس کو ہمیشہ ہر حال میں کیا جائے ایسا نہ ہو کہ کبھی کریں اور کبھی نہ کریں۔ اس کو ہم "استقامتِ عمل" یا "مداومت" کہیں گے مداومت کا نہ ہونا طبیعت کی کمزوری کی دلیل ہے اور اس امر کا اظہار کہ کام سے دل کا لگاؤ نہیں۔ جن کی سیرت پختہ ہوتی ہے ان کے اخلاق میں یکسانی ہوتی ہے اور اس کی مشق مداومت عمل سے ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ "سب سے بہتر وہ نیک عمل ہے جس کو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو"

باب (۲)

صبر

اے دل صبور باش و مخور غم کہ عاقبت
ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود (حافظ)

معنی و مفہوم

صبر کے لغوی معنی "روکنے" اور "سہارنے" کے ہیں یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور بے چینی سے روکنا اور اسکو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا اور یہی صبر کے حقیقی معنی بھی ہیں۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ کسی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے اپنے دشمن سے انتقام نہ لے سکنا، بلکہ اس کے معنی دراصل مصائب میں جرأت، پامردی، ثبات و استقلال اور دل کی مضبوطی، قوت اور استقامت کے ہیں۔

صبر کو جو کامیاب زندگی کا ایک عظیم الشان اصول ہے۔ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے خود زندگی کے متعلق دو باتیں یاد رکھو۔

زندگی ایک مدرسہ ہے

زندگی ایک مدرسہ ہے معلم خود حق تعالیٰ ہیں سبق زندگی کے

ہر آن پیش ہونے والے تجربات ہیں، جن آلات کے ذریعہ سبق سکھلایا جاتا ہے وہ دنیا کے عام واقعات و حالات ہیں۔ نیز دنیا میں رہنے بسنے والے وہ افراد بھی جن کے ساتھ ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے۔ جب ہم پر مصائب کا نزول ہوتا ہے یعنی جب ہمارے خلاف عداوت اور دشمنی، بغض و عناد کے مظاہرے ہوتے ہیں، تکلیفیں دی جاتی ہیں، آزار پہنچایا جاتا ہے، خوف مسلط کیا جاتا ہے، فاقے پڑتے ہیں، مال و متاع کا نقصان ہوتا ہے کبھی خود جان سخت خطرے میں نظر آنے لگتی ہے تو ہمیں ہراساں اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے مربی و معلم حق تعالیٰ ہیں اور وہ ان تجربات کے ذریعہ ہماری سیرت کی تکمیل کر رہے ہیں! دنیا کی "روح ساز" وادی میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے خفتہ نغمے بیدار کیے جاتے ہیں۔

زندگی کی غایت زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہے کہ سیرت کو آراستہ کیا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے! یہ جہاں جو ہمیں ایک انگارہ نظر آتا ہے۔ آگ کا دہکتا ہوا ٹکڑا محسوس ہوتا ہے اور جو شام و سحر اسیر انقلاب دکھائی دیتا ہے، جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے ہے کہ ہماری خودی پختہ ہو۔ اس جسم خاکی کی تکمیل ہو، سیرت کی تعمیر ہو۔ رذائل اخلاق دور ہوں، نفس پاک ہو، اور ہم محاسن اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ہو جائیں۔ اقبال نے اس حقیقت کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

جہان ما کہ جز انگارہ نیست — اسیر انقلاب صبح و شام است
ز سوہان قضا ہموار گردد — ہنوز این پیکر گل ناتمام است

زندگی کی ماہیت اور اس کی غایت کا علم ہو جانے کے بعد اب ہمیں جہد کے ذریعہ اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب ہمیں

اس کا یقین ہو گیا کہ زندگی کی مشکلوں اور آفتوں سے ہو گزرنا ضروری ہے لیکن یہ ہمیں تباہ و برباد کرنے نہیں نازل ہوتیں بلکہ ان سے ہمیں نہایت قیمتی اور مفید سبق حاصل ہوتے ہیں تو پھر زندگی کی مخالفت کرنے کی بجائے ہمارے لئے یہ آسان ہو جاتا ہے کہ اس کا ساتھ دیں۔ زندگی کے مصائب و آفات سے بچنے اور بھاگ نکلنے کے بجائے حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ایک عظیم تر قوت پر بھروسہ کر کے اپنے قدم صبر و ثبات کے ساتھ آگے بڑھائیں اور ان سے جو سبق حاصل ہو سکتے ہیں حاصل کریں۔ اور اس طرح گوہر مقصود پائیں۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ہم اس علم صحیح کی روشنی میں مصائب کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں تو ان مصائب سے بڑی حد تک ہم کو نجات مل جاتی ہے۔ کیونکہ غم و محن کا زیادہ تر حصہ محض ذہنی ہوتا ہے اگر کسی ناگوار واقعہ کے خلاف ہمارے احساسات جس قدر زیادہ قوی ہوں گے اسی قدر کشاکش بھی زیادہ ہو گی اور لازمی طور پر غم و تکلیف میں بھی شدت ہو گی! جوں ہی ہم نے اپنے نقطۂ نظر کو بدلا اس واقعہ کی پوشیدہ حکمت و مصلحت کو بچشم بصیرت ملاحظہ کیا تکلیف میں راحت کو محسوس کیا مصیبت کی برداشت ہزار درجہ آسان ہو گئی۔

اب ہم صبر کے مختلف مفہوم کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

صبر کا پہلا مفہوم
بیقرار نہ ہونا

(۱) صبر کا پہلا مفہوم یہ ہے کہ مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور بیقراری نہ ہو بلکہ ان کو اس بھاں کے خالق کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی کے ساتھ برداشت کیا جائے

اور قلب میں یہ یقین شدت کے ساتھ جاگزیں ہو کہ یہ قطعاً ہمارے کسی عظیم تر فائدے کے لئے ہیں۔ ان سے ہمارا اخلاقی اور روحانی نقصان مقصود نہیں، یہ یا تو سیرت کی کسی کمزوری کو دور کرنے کے لئے آئی ہیں یا پھر ان سے ہمارے درجات کی بلندی مقصود ہے۔

جب تم سے یہ کہا جائے کہ مصائب میں اضطراب اور بیقراری نہ ہو تو اس سے مطلب عقلی اضطراب ہے نہ کہ طبعی، طبعی اضطراب کا ہونا تو بشریت ہے۔ یعنی انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بلاؤں کے نزول کے وقت وہ گھبراہٹ اور اضطرار محسوس کرتا ہے، لیکن یہ اس کے لئے قطعی ممکن ہے کہ اپنے علم صحیح کی وجہ سے اس کا یقین کرے کہ اس مصیبت اور بلا سے مقصود مجھے تباہ و برباد کرنا نہیں بلکہ یہ مجھے کوئی اخلاقی سبق سکھلانے نازل ہوئی ہے، اس سے میرا فائدہ مقصود ہے نقصان نہیں۔ جب یہ یقین قلب پر چھا جاتا ہے تو طبعی اضطراب میں بھی کمی ہونے لگتی ہے، وہ مضمحل ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ بالکل مغلوب۔ بلا کے اس معنی میں عطا ہونے کا احساس جس قدر قوی ہوگا اسی قدر اضطراب اور بیقراری میں کمی ہوگی۔ یہی معنی ہیں صبر کے۔ اس کے حصول کا ذریعہ یقین میں شدت کا پیدا کرنا ہے۔ یعنی قلب کی پوری قوت کے ساتھ اس امر کا ماننا کہ بلا ایک معنی میں عطا ہے، نعمت ہے، عظیم تر فائدہ بخشنے والی چیز ہے۔

مصیبتیں کیوں نازل ہوتی ہیں

یاد رکھو بعض دفعہ تم پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں، غم و محن میں تم جو مبتلا ہوتے ہو اس کا سبب خود تمھاری بدکرداری تمھارے گناہ اور جرائم ہوتے ہیں۔ تمھارا درد و غم، سوز و الم نتیجہ ہوتا ہے تمھارے بد اخلاق کا۔ راز حقیقت کے

جاننے والے کہتے ہیں کہ جیسے اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں ویسے ہی بدلہ بھی دیا جاتا ہے اس لئے ذرا اعمال پر نظر رکھنا کیونکہ ظل (سایہ) شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شئے ٹیڑھی ہے تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا۔ اور اگر سیدھی ہے تو سایہ بھی سیدھا ہوگا جس نے یہ توقع کی کہ ٹیڑھی شئے کا سایہ سیدھا ہو تو اس نے محال کی تمنا کی۔ اس لئے یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ یہ سوز و غم جو تمہارے قلب کو کھائے جا رہا ہے، یہ نتیجہ ہے تمہارے ہی اعمال بد کا! مثلاً جب تم کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ ناحق تمہارے آزار کے درپے ہے، بے وجہ تکلیف دے رہا ہے، زبردستی ستا رہا ہے تو ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا تم نے بھی اسی قسم کی حرکت کسی معصوم و مظلوم کے ساتھ نہیں کی تھی جس سے تمہیں کسی قسم کا آزار نہیں پہنچا تھا۔ ممکن ہے کہ فوراً یاد نہ آ سکے۔ لیکن تحت الشعور نفس کی گہرائیوں میں یہ واقعہ ضرور مندرج ہے۔ وہ ایک نہ ایک روز تمہارے غور کرنے پر ظاہر ہو جائے گا؟ ہر مصیبت کے وقت اسی قسم کی سوچ بچار سے کام لیا جائے اور دیانت فکری ہاتھ سے نہ دی جائے تو آدمی اس امر کا بالآخر قائل ہو جائے گا کہ بلا کا نزول اخلاقی سبق سکھلانے کے لئے ہوا کرتا ہے۔ عبث ستانا مقصود نہیں، سرشت کے کسی نقص کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس سبق کے نتیجہ کے طور پر ہم اپنے اس نقص کو دور کریں تو پھر اس بلا کی تکرار نہیں ہوتی! ہمیں درد و غم سے نجات مل جاتی ہے، حریت و آزادی نصیب ہوتی ہے، قلب میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ اسی واسطے مولانا روم بلا کو 'تطہیر' کا ذریعہ قرار دیتے ہیں جس سے ہمارے اخلاق کا تزکیہ ہوتا ہے اور قلب کا تصفیہ۔

ع این بلائے دوست تطہیر شماست

صبر کا دوسرا مفہوم
مشکلات کی پرواہ نہ کرنا

(۲) صبر کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حصول مقصود میں جو مشکلیں اور خطرے پیش آئیں، دشمن سے جو آزار اور تکلیف پہنچے اور مخالفین جو طعن و طنز کریں ان میں سے کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا جائے اور ان سے بددل اور پست ہمت ہونے کے بجائے اور زیادہ استقلال اور استقامت پیدا ہو۔

قانون ابتلاء

استقامت کے سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ مقاصد جس قدر اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ مشکلات ان کے حصول میں پیش آتی ہیں اور اسی قدر زیادہ صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ اس کو زندگی کا "قانون ابتلاء" کہا جاتا ہے۔ یہاں زندگی جو اپنی اصل و ماہیت کے لحاظ سے خیر ہے، ہمارے صبر کو، استقلال اور پامردی کو آزماتی ہے مرد اور نامرد میں تمیز کرنا چاہتی ہے۔ جو لوگ صبر کی صفت سے ممتاز ہوتے ہیں وہ اس قانون سے واقف ہوتے ہیں، وہ زندگی کی ماہیت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور منزل مقصود کی راہ میں جو مشکلیں اور خطرے پیش آتے ہیں ان سے گھبرا نہیں جاتے بلکہ اپنی سعی و کوشش کو استقلال کے ساتھ جاری رکھتے ہیں اور بالآخر فتح و نصرت ان کے پاؤں چومتی ہے نظامی گنجوی نے اس قانون کو ان سادہ الفاظ میں ادا کیا ہے۔

شکیب آورد بند ہا را کلید
شکیبندہ را کس پشیماں نہ دید!

یعنی صبر مشکلات کی کنجی ہے، صبر و استقامت کی جس میں عادت ہوتی ہے وہ کبھی پشیماں نہیں ہوتے اکارزار زندگی میں وہ بالآخر کامیاب ہو کر رہتے ہیں! کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ حق کی قوت ہوتی ہے۔

تنقید و نکتہ چینی

اس سلسلہ میں دشمنوں اور مخالفوں کے طعن و طنز کے متعلق دو یا تین باتیں ضرور یاد رکھو۔ دنیا میں کوئی شخص ہمہ وجوہ کامل نہیں۔ کامل ذات تو صرف خدا کی ہے ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ اس میں بہتیرے عیب اور نقص پائے جاتے ہیں۔ ہمارے دوست عموماً ہمیں اپنے عیوب پر مطلع نہیں کرتے، وہ یا تو ہماری تعریف کرتے ہیں یا پھر خاموش رہتے ہیں ہمیں اپنی کمزوریوں کا علم مخالفوں اور دشمنوں ہی سے ہو سکتا ہے عقلمندی کا شیوہ ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں سے واقف ہو کر انہیں رفع کرنے کی کوشش کریں۔ تنقید، طنز، تعریض سے مشتعل نہ ہو جائیں رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہ ہو جائیں خردہ گیری یا عیب چینی کی مثال کتے سے دی جا سکتی ہے۔ کتا جب دیکھتا ہے کہ تم اس سے ڈر گئے تو وہ تمہارا پیچھا کرتا ہے۔ ناک میں دم کر دیتا ہے! اسی طرح اگر خردہ گیری یا تنقید سے تم خوف زدہ ہو گئے تو اس کا عذاب شب و روز جاری رہے گا۔ پلٹ پڑو اور کتے کا مردانہ وار مقابلہ کرو تو کتا بھونکنا موقوف کر دیگا۔ دُم ہلاتے ہوئے تمہارے سامنے آ کھڑا ہوگا، اب وہ تمہارا دوست ہے! اسی طرح نکتہ چینی اور خردہ گیری کو نظر انصاف سے دیکھو، تمہیں اس میں اپنے دوست کا چہرہ نظر آئے گا! ہم تنقید سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ اس میں صداقت ہوتی ہے۔ صداقت کا عنصر اسمیں جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس سے ہمیں شرمندگی ہوتی ہے! لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تنقید جتنی زیادہ صحیح ہوگی اتنی ہی ہمارے لئے مفید ہوگی! دشمن کی تنقید دوست کی ستائش سے زیادہ قیمتی ہو سکتی ہے! صائب تو اس شخص کے آنکھوں کا بوسہ لینا چاہتا ہے جو اس کے عیب کو اس پر ظاہر کردے۔ ؎

کسیکہ عیب ترا پیش چشم نگارد بوس دیدہ او را کہ بر تو حق دارد

صبر کا تیسرا مفہوم درگذر کرنا

(۳) صبر کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ بُرائی کرنے والوں کی بُرائی کو نظر انداز اور جو بدخواہی اور عناد سے پیش آئیں اور آزار پہنچائیں ان کے قصور کو معاف کیا جائے یعنی تحمل اور برداشت میں اخلاقی جرأت دکھائی جائے ۔ یہ صبر کی وہ قسم ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بڑی بہادری ہے ۔ بدی کا بدلہ بدی سے دینا آسان ہے مردی اور بہادری تو یہ ہے کہ نیکی اُس کے ساتھ کی جائے جو تمہارے ساتھ بُرائی کر رہا ہے ! سچ تو یہ ہے کہ انسان کی عقل کی پختگی اور سیرت کی تکمیل اُسی وقت ہوتی ہے جب " عدو کا دوست اور دشمن کا یار " بننا اس کے لئے بار نہیں ہوتا ۔ وہ حقائق فطرت سے واقف ہو کر دشمن کے ساتھ نیکی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اس کی مثال اُس پھل دار درخت کی سی ہوتی ہے جو پتھر مارنے والے کو اپنا پھل تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہے ؎

آں روز ترا نخل برومند تواں گفت
کز ہر کہ خوری سنگ عوض میوہ فشانی (صائبؔ)

یاد رکھو تمہیں مسرت و طمانیت اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمہارے قلب سے کینہ، بغض، عداوت " دور نہ ہو جائے یعنی جب تک کہ تم اپنے بدخواہوں اور دشمنوں کو کامل طور پر معاف کر کے اپنے سینہ کو اُن کی عداوت سے پاک نہ کر لو ۔ عداوت کے معنی جذباتی زبان میں رنج و غم، کرب و اضطراب کے ہیں، یہ جذبات اُسی وقت قلب سے دور ہوں گے اور اُس میں جمعیت و سکون اُسی وقت پیدا ہو گا جب تم اپنے دشمن کو پوری طرح معاف کر کے اس کی طرف سے اپنے سینہ کو پاک و صاف کر لو گے ۔ دیکھو جب تم پر زیادتی کی جاتی ہے تمہارے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ

کیا جاتا ہے تو فطرتاً تمہیں غصّہ آتا ہے، رنج ہوتا ہے، اضطراب ہوتا ہے اگر تم اس نقصان پر ذہن کی ساری قوتوں کو مرکوز کر دیتے ہو نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ تاریک اندوہ خیز، زہریلے خیالات تمہارے دماغ میں پیدا ہونے لگتے ہیں ان کا ہجوم ہونے لگتا ہے، تمہاری ذہنیت مسموم ہو جاتی ہے۔ تمہاری مسرت فنا ہو جاتی ہے تمہاری صحت خراب ہونے لگتی ہے! یہ ہیں نتائج برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز نہ کرنے کے، ان کی برائی کا جواب برائی سے دینے کی فکر کرنے کے، یعنی صبر سے کام نہ لینے اور معاف نہ کرنے کے! اب اگر تم نے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کہ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (چھوڑ دے ان کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر) معاف کئے دیتے ہو سلبی خیالات (بغض، عناد و انتقام کے خیالات) کے بجائے ایجابی خیالات (عفو، درگزر، لطف و کرم) کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہو تو ان تمام تباہ کن نتائج سے نجات مل جاتی ہے، تمہارا رُخ ظلمت سے ہٹ کر نور کی طرف ہو جاتا ہے تمہاری ہستی کا ہر ذرہ اس نور سے جگمگا اُٹھتا ہے۔ اب تم کو حقیقی معنی میں حریت نصیب ہوتی ہے، طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ مسرّت میسر ہوتی ہے! کینہ تمہارے دل سے دور ہوا اور عالم تمام گل بے خار نظر آنے لگا! یہی تعلیم ہے شاد آپ کے ان اشعار میں شاعرانہ طریقہ سے :-

جو مدعی بنے اسکے نہ مدعی بنیئے   جو نا سزا کہے اسکو نہ نا سزا کہیئے
رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجئے   کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیئے

اور آمیر نے کینہ اور عداوت کے مسرّت کش نتائج کا اچھی طرح

سے۔ پارہ (۲۲، رکوع ۳)۔

احساس کر کے صاف سیدھی زبان میں کہہ دیا:۔

"وہ دشمنی کریں تو کریں اختیار ہے
ہم تو عدو کے دوست ہیں دشمن کے یار ہیں"

ہر فعل کا اثر، ہر حرکت کا ردِ عمل، ہر علت کا معلول قطعی ہوتا ہے۔ یہ ایک کلّی اور ضروری قانون ہے۔ کینہ و غضب کے جذبات کا لازمی نتیجہ غم و حزن کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح عفو و احسان، صبر و شکر کا ضروری نتیجہ مسرت و سرور، طمانیت و چین کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے۔ علیت کے اس کلّی اور عالم گیر قانون پر یقین ہو جائے تو اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ۔ جس نے تمہارے ساتھ برائی کی اس کے ساتھ بھلائی کر، کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ہمیں کوئی تکلّف نہیں ہوتا اور ہم اپنے اس عقیدے کا اظہار کسی شاعر نکتہ داں کے الفاظ میں یوں کرنے لگتے ہیں:۔

"ہر کسے در راہِ من خارے نہد من گل نہم
او سزائے خار یابد من جزائے گل برم"

یعنی کانٹے بونے والا ضرور اپنی سزا پاتا ہے، کچھ نہیں سکتا مجھے اس کو سزا دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی عداوت رکھ کر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر حزن و غم کی آگ میں جلنے کی ضرورت، میں معاف کرتا ہوں اور عفو و کرم کے نتیجہ کے طور پر گویا پھولوں میں تُلتا ہوں۔

دشمن کو دوست کس طرح بنایا جائے

یہ سن کر اور مان کر تم ذرا جھلا کر کہتے ہو کہ کیا یہ میرے بس کی بات ہے۔ میں بہر حال بشر ہوں اور فطرۃً مائل بہ شر! کیا انتقام نہ لینا مجھ سے ممکن بھی ہے؟ جذبات کے نیچا دکھانے والے شور و شر سے مقابلہ کی مجھ میں طاقت کہاں! انتقال کے وقت

یہ بے صبری عقل کو نذرِ آتش کر دیتے ہیں اور وہی کر گزرتے ہیں جو ان کی فطرت کا تقاضہ ہے۔

تم ایک حد تک ٹھیک کہتے ہو آؤ ہم تمہیں ایک نفسیاتی طریقہ بتلائیں جس کے استعمال سے تمہیں مقصد کے حصول میں آسانی ہوگی۔

جس شخص کو تمہیں معاف کرنا ہے اس کی صورت کا خیال کر کے تمہیں کہنا چاہیئے:۔

"میں تمہیں (نام شخص) خدا کی خوشنودی کیلئے پوری طرح معاف کرتا ہوں، دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں نیک توفیق دے اور اپنی نعمتوں سے سرفراز کرے"۔

اگر تم یہ عمل روزانہ مسلسل خلوص دل کے ساتھ کرتے رہو تو کچھ دن بعد تمہیں یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ تمہارے لئے اس شخص کو معاف کر دینا زیادہ مشکل تو نہیں! اپنے نفس سے مقابلہ کر کے اگر تم نے حسن خلق حاصل کر لیا اخلق کے طرف سے جفا کے باوجود ان سے وفا کی عفو و کرم کو اپنا شعار بنا یا تو اب حقیقی مسرت، طمانیت، سکون و چین وہ انعامات ہیں جو زندگی میں تمہیں حاصل ہوں گے!۔

کامیابی و ناکامی میں صبر کی ضرورت

اب ہم صبر کے دو ایک اہم مواقع کا ذکر کر کے اس باب کو ختم کرتے ہیں۔ اشخاص اور قوموں کی زندگی میں سب سے نازک موقع وہ آتا ہے جب وہ کسی بڑی کامیابی یا ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس وقت نفس پر قابو رکھنا اور ضبط سے کام لینا سخت مشکل ہوتا ہے مگر یہی ضبط نفس کا اصلی موقع ہے اور اسی سے اشخاص اور قوموں میں سنجیدگی، متانت، وقار اور سیرت کی مضبوطی اور پختگی پیدا ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ زندگی میں غم و مسرت، رنج و راحت توام ہیں۔ نہ سب دن خوشی کے ہوتے ہیں اور نہ سب دن غم کے۔ راحت و رنج دونوں حالتوں میں انسان کو ضبط نفس اور اپنے آپ پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ نہ مسرت اور خوشی کے نشہ میں اس کو آپے سے باہر ہو جانا چاہیئے اور نہ غم و تکلیف میں اُداس، بدحواس اور بددل! دل کے ان دونوں نقائص کا علاج صبر و ثبات اور ضبط نفس ہے۔

ادائی فرائض میں صبر و استقامت۔

دقتی مشکلات میں صبر اور پامردی سے بڑھ کر ایک معنی کے لحاظ سے وہ صبر ہے جو کسی فرض کو عمر بھر پورے استقلال و استقلامت سے ادا کرنے میں ظاہر ہوتا ہے۔

فرائض کی ادائی ہی سے زندگی کا مقصد حاصل ہوتا ہے، ہمارے اخلاق سنور سکتے ہیں، رذائل دور ہو سکتے ہیں۔ سیرت پختہ ہوتی ہے۔ مذہبی فرائض و احکام کو جو بہر حال نفس پر سخت گزرتے ہیں۔ عمر بھر مضبوطی کے ساتھ ادا کرتے رہنا بھی صبر ہے۔ ہر حال اور ہر کام میں خدا کے حکم کی فرماں برداری اور بندہ ہونے پر ثابت قدم رہنا نفس انسانی کا سب سے بڑا امتحان ہے!

غرض صابر زندگی کو خیر سمجھتا ہے، اس کے مبداء کو خیر مطلق مانتا ہے، مصائب کے نزول کے وقت ہراساں اور مایوس نہیں ہوتا، جانتا ہے کہ دنیا "روح سازی کی وادی" ہے، جہاں غم کے مضراب سے سیرت کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں، خودی کی تعمیر کی جاتی ہے، سیرت کی تکمیل کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ مصیبتوں میں مضطرب اور بے قرار نہیں ہو جاتا، مقاصد کے حصول میں جو مشکلیں پیش آتی ہیں دشمن سے جو تکلیف پہنچتی ہے

ان کو خاطر میں نہیں لاتا۔ پست ہمت اور بددل نہیں ہوتا۔ برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کرتا ہے اور جو بدخواہی اور دشمنی سے پیش آئیں اور آزار پہنچائیں، ان کے قصور کو معاف کرتا ہے، بدی کا بدلہ نیکی سے کرتا ہے۔ جانتے ہو کہ وہ انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے؟ وہ خدا کا محبوب ہوتا ہے حق کی معیت اس کو نصیب ہوتی ہے، دین و دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت صبر کے معاوضہ میں اس کو ملتی ہے! اور ع

ظاہر و باطن او گوہر و عنبر باشد!

باب (۳)

مصلحت بینی و دُور اندیشی

نہ کشد سر بہ گریبان خجالت صائب
ہر کہ امروز در اندیشۂ فردا باشد

انسان کا شرف حیوان پر

انسان کو حیوان پر جو تفوق اور برتری حاصل ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ حافظہ بھی رکھتا ہے اور تخیل بھی۔ حافظہ کی مدد سے وہ اپنے زمانہ ماضی پر نگاہ ڈالتا ہے اور تخیل اس کی نظر کے سامنے آنے والے واقعات کی تصویر پیش کرتا ہے! وہ آگے بھی دیکھتا ہے اور پیچھے بھی! اس کے برخلاف حیوان صرف حال ہی کے دامن سے وابستہ ہے نہ آگے دیکھ سکتا ہے اور نہ پیچھے! انسان دوراندیش اور مصلحت بیں ہے اور حیوان محض "حال مست"! عاقبت اندیش ہونے کی وجہ سے ہر کام کے

آغاز ہی میں انجام پر نظر رکھنے کی وجہ سے مقاصد کی تشکیل اور اُن کے ذرائع کی تکمیل پر قادر ہونے کی وجہ سے انسان نے اپنی ابتدائی حالت کو چھوڑ کر جو حیوان سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی، ترقی کی، اس کا قدم آگے بڑھتا گیا، ہر لحظہ نیا طور، نیا برق تجلّی" اس کے پیش نظر رہی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے "مرحلہ شوق" کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی حد! اور حیوان ہزارہا سال سے ایک حالت میں ہے۔ اس کی خاک میں آرزو کی شعاع نہیں، غایت یا مقصد کی کشش کا اس پر کوئی اثر نہیں، وہ تن پرور ہے اور حال مست۔

مقصود زندگی کا پیش نظر رہنا ضروری ہے

حافظہ، تخیل اور عقل کی قوتوں سے ممتاز ہونے کی وجہ سے تمہیں اپنی زندگی پر نظر غائر ڈالنی چاہیئے اس کی تحلیل کرنی چاہیئے، اس کی جانچ پڑتال کرنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اس کی غایت کیا ہے اور مقصد کیا؟ یہ بے غایت، عبث، بے کار تو نہیں بسر ہو رہی ہے؟ زندگی بغیر کسی مقصد کے بے معنی چیز ہے! مقصد ہی سے زندگی میں قدر و قیمت پیدا ہوتی ہے، معنی پیدا ہوتے ہیں اور مقصد کا تعین عقل و تخیل ہی سے ہوتا ہے۔ اسی لئے سقراط نے کہا تھا "جس زندگی کی جانچ پڑتال اور امتحان نہ کیا گیا ہو، جس زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصود و غایت نہ ہو، وہ زندگی بسر کرنے کے قابل نہیں"! مقصود کا پیش نظر ہونا ضروری ہے لیکن اس مقصود کے حصول کے لئے راہ کا طے کرنا صحیح طریقوں کی مصلحت بینی اور دور اندیشی کے ساتھ استعمال کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے!

زندگی کی مثال

زندگی کی مثال پہاڑ پر چڑھنے سے دی جاسکتی ہے تمہیں سب سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کی خواہش ہونی چاہیئے

ورنہ تم چوٹی پر کبھی پہنچ ہی نہ سکو گے۔ لیکن محض خواہش بھی تمہیں چوٹی تک نہیں پہنچا سکتی۔ وادی میں پڑے رہنا تمہیں پسند نہیں، لیکن کیا محض چوٹی پر ٹکٹکی لگائے رکھنے سے اور خیال کر لینے سے کہ تم چوٹی پر ہو۔ واقعی تم چوٹی پر پہنچ سکتے ہو؟ ع این خیال است و محال است و جنوں! تمہیں اُٹھ کھڑا ہونا چاہیئے اور کمر ہمّت باندھ کر چڑھائی شروع کر دینی چاہیئے۔

محض چوٹی پر ٹکٹکی لگانا اور نہ زمین کی خصوصیات کو ملحوظ رکھے بغیر چڑھائی شروع کر دینا تمہیں چوٹی پر پہنچا سکتا ہے! تمہارا مقصود چوٹی ہے جو بعض وقت تو صاف دکھائی دیتی ہے۔ اور بعض وقت نظر سے بالکل غائب ہو جاتی ہے لیکن بہرحال وہ تمہارے لئے منزل مقصود کا کام تو دیتی ہے خواہ وہ ہمیشہ صاف نظر آئے یا نہ آئے! جس چیز کا تمہیں ہر وقت لحاظ رکھنا پڑتا ہے وہ تمہارے سامنے کا نظارہ ہے — اس چٹان کو کس طرح طے کیا جائے اس چشمہ کو کس طرح عبور کیا جائے، اس ڈھال کے آخری حصّہ سے کس طرح گزر جائیں اور اس کھڑی چٹان سے پھسل کر گرے بغیر کس طرح پار ہو جائیں!

تمہاری منزل تمہیں راہ گم کرنے سے بچا لیتی ہے، وہ تمہاری خضرِ راہ ہے لیکن تمہیں راہ کا طے کرنا، پہاڑی پر چڑھنا بھی ضروری ہے۔

من از قدم سعی بمقصود رسیدم
هر آبلہ پائی مرا قبلہ نما شد

اس طرح زندگی میں کسی غائت یا مقصد کے ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ تمہارے سینہ میں ایک خاص آرزو کا چراغ روشن ہو، مثلاً تم رہبر قوم بننا چاہتے ہو۔ سیاسیات کے میدان کے مرد بننا چاہتے ہو، یا کسی خاص

فن میں نام پیدا کرنا چاہتے ہو۔ تمہارے ذہن میں ایک واضح تصور پڑا ہے
یہ تصور جذبات و احساسات سے لبریز ہے۔ جو عمل کے زبردست محرک ہیں
تم اس تصور یا مقصود کو حاصل کرنے کے ذرائع و وسائل کو غور و فکر کے بعد
اختیار کرتے ہو، دور اندیشی اور مصلحت بینی تمہارے رفیق راہ ہیں۔

آرزو کا اظہار دو طریقوں سے ہوتا ہے (۱) مقصود جو پیش نظر ہوتا
ہے۔ (۲) ذرائع جو اس مقصود کے حصول کے لئے دریافت کئے جاتے
ہیں جو غور و فکر کے پیدا کردہ ہوتے ہیں! اب اس مقصود کے حاصل کرنے
کیلئے نفس کی ساری قوتیں کام پر لگ جاتی ہیں۔ زندگی اپنے مرکز کو
پا لیتی ہے۔

زندگی میں اگر کوئی مقصد نہ ہو تو ہماری مثال اس جہاز کی مانند
ہو جاتی ہے جس کا پتوار ہی نہیں آندھی کا ہر جھونکا اس کو منزل سے دور
لے جاتا ہے، یا پھر ہم اس تنکے کی مانند ہو جاتے ہیں جس کو ہوا ہر طرف اڑائے
پھرتی ہے۔ ع سر کی دستار کہیں پاؤں کی پاپوش کہیں!

مصلحت بینی اور دور اندیشی کا استعمال مقصود کے تعین کے علاوہ
اخراجات کے سلسلہ میں نہایت ضروری ہے۔

رزق کے معاملہ میں دور اندیشی کیا ہے؟

سب سے زیادہ عاقلانہ دور اندیشی اور مصلحت بینی تو
یہ ہے کہ رزق کے معاملہ میں قلب و دماغ کو سلبی
تصورات سے یعنی خوف و پریشانی سے، تردد و تفکر سے
حزن و ملال سے آزاد اور پاک رکھیں، فقر و افلاس، ناداری و احتیاج
قلب و دماغ پر مسلط نہ ہو جائے، ذہنیت کو مسموم نہ کردے شعور کی گہرائیوں میں

اُتر نہ جائے۔ روح پر محیط نہ ہو جائے! ذرا غور کرو! رزق کا ذمہ دار خدا ہے وہی سب کو رزق دیتا ہے، دیکھو جو درخت بوتا ہے وہی سینچتا بھی ہے، خلقت کو وہی مدد دیتا ہے جو ان کا خالق ہے! ایجاد و تخلیق اس سے ہے دوام امداد بھی اسی سے ہے، تخلیق اس سے ہوئی، رزق کا دینا بھی اس کے ذمہ ہے۔ مثال کیلئے اپنے ہی انفس میں غور کرو جب تم کسی کو گھر پر دعوت دیتے ہو تو اس کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتے ہو۔ خدائے تعالیٰ نے جب اپنی مشیت اور ارادے سے ہمیں پیدا کیا تو رزق کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے اسی کے خوان کرم سے ہمیں برگ و نوا حاصل ہے! خدائے تعالیٰ ہمارے مالک ہیں، آقا ہیں، ہم اس کے مملوک ہیں، عبد ہیں، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے جس طرح غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے۔ اگر ہم ان کے ہو کر رہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا حق ادا نہ کریں! رزق کا وعدہ قطعی صرف ہمیں اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرنا ہے۔ پھر نا ممکن ہے کہ وہ ہمیں اپنے گھر بلائیں اور پھر اپنے احسانات سے محروم رکھیں، وجود بخشی کریں اور پھر مدد نہ کریں۔ ہمت کریں اور پھر اپنے کرم سے محروم رکھیں، اپنا حق (عبادت) ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق (رزق) نہ دیں! وہ کریم ہیں، ان کی خدمت ادا کر کے کون محروم رہتا ہے؟ ان سے معاملہ کر کے کون خسارہ میں رہتا ہے!۔

ایجابی یقینات

جب تمہارا عقیدہ یہ ہو، تمہارے شعور میں یہ اذعان داخل ہو جائے تو تم ایجابی یقین کے انسان ہو سلبی یقین کے انسان نہیں۔ اب تم ان لوگوں کی طرح نہیں جو ہمیشہ افلاس و احتیاج کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں! جو ہمیشہ سوچا کرتے ہیں کہ "کاش میں مالدار

ہوتا۔" "کاش قرض کا بوجھ میرے کاندھوں سے اُٹھ گیا ہوتا۔" "کاش میری آمدنی فلاں شخص کی اتنی ہوتی"۔ اس قسم کی فکر سے ان کی ذہنیت سلبی ہو جاتی ہے اور جو چیز ان کے قلب و دماغ پر مسلط رہتی ہے اُسی کا خارج میں ظہور بھی ہوتا ہے تنگی و تنگ دستی ان کے ذہن پر طاری ہے خارجی حالات بھی ان کے تنگ و تاریک ہی ہوتے ہیں کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آدمی دراصل فکر و اندیشہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا اس کے ہاں ہڈی چمڑا نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر وہ پھول ہی کے تصور میں مست رہے تو پھول کے تمام آثار اس کے قلب میں پائے جائیں گے۔ اور اگر خار کا خیال اس کے ذہن پر مسلط ہو جائے تو وہ ذہنی کیفیات کے لحاظ سے بھاڑ یا بھٹی کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔ عارف رومی نے اس حقیقت کو اپنے ان دو اشعار میں ادا کیا ہے ان کا یاد رکھنا تمہاری زندگی میں بہت کام دیگا۔

اے برادر تو ہمیں اندیشہ ۔۔۔ مابقی استخوان و ریشہ!
گر گل است اندیشہ تو گلشنے ۔۔۔ در بود خارے تو ہمہ گلخنے!

ان حقائق کو پیش کرنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تم رزق کے معاملہ میں ایک ایجابی ذہنیت کے انسان بن جاؤ تنگی اور تنگ دستی ہی کی فکر میں نہ رہو بلکہ خدا پر بھروسہ رکھو کہ وہ تمہیں کبھی بھوکا نہیں رکھے گا۔ ایک دروازہ اگر تم پر بند ہو جائے تو دس دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ اس پختہ یقین و اذعان کے بعد تمہیں اسباب کی زنجیر کو تھامنا چاہیئے محنت اور ذہانت سے کام لینا چاہیئے تدبر و فراست کو استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسباب و علل کی راہ سے حاصل ہوتا ہے تمہیں مردِ میدان بننا چاہیئے نہ کہ روباہ لنگ۔ دور اندیشی اور مصلحت بینی تمہارا

طرہ امتیاز ہو! آؤ اب اس سلسلہ میں ہم تمہیں چند اصول بتلائیں:-

دوراندیشی کے بنیادی اصول
(۱) "خرچ آمدنی سے کم ہو"

(۱) دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارا خرچ تمہاری آمدنی سے بہرحال کم ہو۔ اس کی ضد نادانی کا عملی مظاہرہ ہے' چادر کے باہر پاؤں پھیلانا ہے! حضرت شوق کی اس تنبیہ کو یاد رکھو:-

خرچ زائد اور آمد کم یہ نادانی ہے شوق
اہل دانش پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

ہر ماہ کچھ بچا کر اُس کو کسی بنک میں یا صندوقچہ میں محفوظ کر دینا چاہیئے اعداد و شمار سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ جن لوگوں نے ترقی کی ہے وہ اسی عادت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ ان کی کمائی بہت زیادہ تھی۔ اس مقام پر لوگ دو خطرناک غلطیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اُس اصول کا اطلاق مجھ پر نہیں ہوتا کیونکہ میں اپنی موجودہ آمدنی کے لحاظ سے کچھ بچا ہی نہیں سکتا۔ مجھے اُس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب..." یہاں متعدد عذرات پیش کئے جاتے ہیں مثلاً بعض کہتے ہیں کہ "ہمیں اُس وقت تک انتظار ضروری ہے جب تک کہ ہماری آمدنی میں کچھ اضافہ ہو جائے یا اخراجات کا یہ طوفان کم ہو جائے جو ہمارے پاؤں جمنے نہیں دیتا ہے! بہرحال وہ کسی دوسرے وقت کے آنے تک کچھ محفوظ کرنا نہیں چاہتے اور بدبختی سے یہ دوسرا وقت آتا نہیں! آمدنی میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے لیکن بچتا کچھ نہیں کیونکہ خواہشات لامحدود ہوتی ہیں اور احتیاجات اَن گنت اور بہ قول امجد ان کی جان کو عجیب کاہش ہوتی ہے۔ ایک خواہش کے پورے ہوتے ہی دوسری خواہش ہوتی ہے!" اس طرح عمر کے دن کٹتے

جاتے ہیں اور ناگہاں وہ دن بھی طلوع ہو جاتا ہے جب کہ ان کی کمائی کا زمانہ باقی نہیں رہا اور اب سوائے حسرت و یاس کے حاصل کچھ نہیں!

قرض کی پیتے تھے مے پر یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن! (غالب)

بعض بچت کی اہمیت سے واقف ہوتے ہیں اور بچانا چاہتے بھی ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ مہینے کے آخر میں جو کچھ بچ جائے اس کو بینک میں لے جاکر محفوظ کر دیں لیکن آخر ماہ میں ان کے ہاں کوڑی بھی نہیں بچتی ہا۔

بچانا اگر ضروری ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے۔ آمدنی کے ساتھ ہی اس کا کچھ حصہ خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو بینک کے حوالہ کر دیا جائے بعد میں سخت حاجت کی بنا پر کچھ نکالا جا سکتا ہے لیکن ابتداً تنخواہ کا ایک جزو محفوظ کر دیا جانا ضروری ہے اس سے بچانے کی عادت پڑتی ہے۔ اور اسی عادت کا قیام اہم ہے! کامیاب سیرت کی تشکیل میں اس عادت کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔

روکڑ بہی کا استعمال

اس سلسلہ میں تمہیں روکڑ بہی (Cash Book) سے بہت مدد ملے گی۔ اس میں تمہیں آمدنی کے ہر جزو کو بائیں جانب لکھتے جانا چاہیئے اور خرچ کے ہر مد کو سیدھے جانب۔ اس سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم ہر ماہ کی ابتدا میں ایک بجٹ بنا لو۔ بائیں جانب ہر اُس رقم کو درج کر لو جو تمہیں ملنے والی ہے اور ملنے کی تاریخ کو بھی لکھ لو۔ اس سے تمہاری جملہ آمدنی کا اندازہ ہو جائے گا۔ سیدھے جانب مہینہ بھر میں جو خرچ کرنا ضروری ہے اس کو درج کر لو۔ جیب خرچ کیلئے کچھ مقرر کر لو دوسرے مستقل مدات کا بھی خیال رکھو۔ مثلاً لباس، ٹیکس، بیمہ وغیرہ۔ جو گو اس

مدت میں تمہیں ادا کرنا نہ پڑے، بلکہ جو چھ مہینے یا سال بھر بعد قابل ادائی ہیں لیکن تمہیں ان کی ادائی کا ابھی سے ایک حد تک انتظام کرنا ضروری ہے۔

بجٹ کے اندر خرچ کو روکنے کی کوشش۔

اب دوسرا اقدام یہ ہے کہ خرچ پر قابو حاصل کرنے کی باضابطہ کوشش کی جائے اور اس کو بجٹ کے اندر رکھا جائے۔ اس معاملہ میں تمہیں روکڑ ہی سے بہت مدد ملے گی۔ اگر تم اس میں خرچ کے ہر مد کو نہایت دیانت کے ساتھ لکھتے جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ کتنا پیسہ محض فضولیات میں صرف ہو جاتا ہے اور تم اپنے عزم کو پختہ کرتے جاؤ گے کہ اسراف سے بچنا ضروری ہے اور کل کی عشرت کے لئے آج کی عسرت بہتر۔ ع

کلفت امروز بہر عشرت فردا خوش است

تمہاری اس کوشش سے کئی اہم نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ تمہیں اپنے معاملات کو چلانے اور درست کرنے کا طریقہ آتا ہے اور مستقبل کے لئے ذخیرہ کرنا آتا ہے تمہیں اپنی مالی حالت کا علم ہو جاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ تم کتنا خرچ کرنا چاہتے تھے اور درحقیقت خرچ کتنا ہو گیا۔ یہ ضبط نفس کی اچھی مشق ہے، اس سے تم میں خود اعتمادی اور عزت نفس کی عمدہ خصلتیں پیدا ہوں گی۔ اسراف و فضول خرچی کی عادت دور ہو گی۔

تمہارے معاملات کتنے ہی سیدھے کیوں نہ ہوں، اور تمہاری آمدنی کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو بجٹ کا بنانا تمہارے لئے ضروری ہے۔ اور بجٹ کے اندر خرچ کو رکھنا لازمی۔ اس لئے اس اچھی عادت کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔ یہ تمہیں کتنے مصائب سے بچنے میں مدد دے گی۔ عاقبت اندیش بننا سکھلائے گی۔ دور بینی تم میں پیدا کرے گی اور

تم دنیا میں کامیاب انسان ثابت ہو گے۔

(۲) جمع کو منفعت بخش کام میں لگاؤ!

(۲) دور اندیشی اور مصلحت بینی کا دوسرا تقاضہ یہ ہے کہ تمہیں اپنی جمع کردہ پونجی کو کسی منفعت بخش کام میں لگانا چاہئیے۔ غربت اور افلاس میں جو لوگ اپنی آخری زندگی بسر کرتے ہیں اس کی وجہ عموماً یہ نہیں ہوتی کہ انہوں نے کچھ کمایا یا نہیں بلکہ یہ کہ انہوں نے کچھ بچایا یا نہیں یا یہ کہ ان کا اندوختہ انہی کی حماقتوں کی وجہ سے تلف ہو گیا۔

انگریزی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ "احمق اور اس کے روپیہ میں جدائی بہت جلد ہو جاتی ہے"! مطلب یہ کہ احمق اپنے روپیہ کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس کی سیرت کی نمایاں خصلت اسراف اور فضول خرچی ہے' روپیہ کے خرچ کرنے میں وہ ہر جاہل کی رائے سن لیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے؟ بتلاؤ! اگر تمہیں طبی مشورہ کی ضرورت ہو تو کیا تم کسی بڑھئی کے پاس جاؤ گے؟ نہیں' طبیب کے ہاں جاؤ گے؟ اسی طرح اگر تمہارے دانت میں درد ہو تو تم دندانساز کے پاس جاؤ گے! لیکن عجیب بات ہے ہر شخص سمجھتا ہے کہ وہ اپنی پونجی کو خود آپ منفعت بخش کام میں لگا سکتا ہے! کمانے کے بعد روپیہ بچانے کا راز یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی ہدایت پر عمل کریں جو اس معاملہ میں تجربہ کار ہوں اور دیانت دار ہوں۔

مکان کی تعمیر

آؤ مالی استقلال اور خوش حالی حاصل کرنے کا ایک محفوظ طریقہ ہم تمہیں بتلائیں۔ اپنی بچت کو اپنے مکان کی تعمیر میں صرف کرنا سیکھو۔ یہ کام اتنا مشکل نہیں جتنا کہ بظاہر یہ نظر آتا ہے۔ اور اس کے نفسیاتی فوائد بھی بہت سے ہیں۔ یہ تمہیں کفایت شعاری سکھلائے گا

تم میں عزت نفس کا جذبہ پیدا کرے گا، خود اعتمادی کی بنا ڈالیگا! جس شخص کا مکان ذاتی ہوتا ہے اس کی اپنی ملک ہوتا ہے اسکا نقطۂ نظر دنیا کے متعلق اس شخص کے نقطۂ نظر سے بہت مختلف ہوتا ہے جس کا ذاتی مکان نہیں ہوتا جو کرایہ کے مکان میں زندگی کے دن گزار رہا ہے!

ہر ملک میں اور خود تمہارے شہر میں بہت سی ایسی انجمنیں ہوتی ہیں جو مکانات کی تعمیر کرتی ہیں، اور ابتدا میں کچھ رقم تم سے لیکر مکان تمہارے قبضہ میں دے دیتی ہیں جس کی کل قیمت رفتہ رفتہ چند سال میں تم ادا کر سکتے ہو۔ ادائی کی رقم جو مقررہ وقت پر تم کو انجمن میں داخل کرنی پڑتی ہے معمولی کرایہ سے کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ اور جب ایک دفعہ انجمن سے معاہدہ کر کے تم مکان میں داخل ہوتے ہو تو یہ مکان تمہارا ہو جاتا ہے تمہاری حیثیت کرایہ دار کی نہیں مکاندار کی ہوتی ہے اور اس پر تمہارا تصرف مالکانہ ہو جاتا ہے!۔

اس کے برخلاف جب تم کرایہ کے مکان میں ہوتے ہو تو ہر ماہ کرایہ کا ادا کرنا تمہاری محدود آمدنی کے لئے ایک مستقل بار ہوتا ہے، اگر دس سال تک تم کسی مکان میں کرایہ سے رہو تو اس عرصہ میں تم عموماً مکان کی قیمت کے مساوی رقم ادا کر دیتے ہو۔ اور پھر بھی تمہیں مکان پر کوئی مالکانہ حق حاصل نہیں ہوتا! اگر اور دس سال رہو تو مکان کی دو چند قیمت تم نے ادا کی اور پھر بھی تمہیں کچھ نہ ملا! اسی لئے مکان کی خرید روپیہ پیسہ بچانے کا ایک نہایت عاقلانہ طریقہ سمجھا گیا ہے! ع:۔

خنک آنکہ جو بد سر انجام نیک!

بیمہ! چونکہ بہت سے قابل اور ذہین افراد اپنی عمر کے آخری زمانہ میں اپنے

ہاں اتنی پونجی نہیں پاتے کہ ان کی عمر کے یہ آخری ایام خوش حالی میں گزر سکیں اس لئے موجودہ تہذیب میں بیمہ کی پالیسی کا خریدنا ایک دانشمندانہ کام سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسی کی وجہ سے عمر کے آخری دن جن میں انسان کمانے کے قابل نہیں رہتا، مالی اعتبار سے سنبھل جاتے ہیں، اور اس کو ہر ماہ ایک مقررہ رقم ملتی رہتی ہے۔ اور اگر وہ معاہدہ کے گزرنے کے پہلے فوت ہو جائے تو بقیہ رقم اس کے ورثا کو ادا کر دی جاتی ہے۔ بیمہ کی بیشمار صورتیں ہیں، یہ اتنی ہی محفوظ ہیں جتنے کہ عام بینک ہوتے ہیں بلکہ ان سے زیادہ، اور ان میں کئی قسم کے فائدے ہیں مثلاً قرض لیا جا سکتا ہے۔ بیماری معذوری وغیرہ جیسی مجبوریوں کا خیال رکھ کر امداد کے لئے بیمہ کرایا جا سکتا ہے، جس کی تفصیل کسی بیمہ کمپنی کے دفتر سے بآسانی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کئی لوگ ایسے بھی ہیں جو بیمہ کی کسی صورت کی پابندی کے بغیر کچھ پس انداز کر ہی نہیں سکتے۔ ان کے لئے بیمہ ایک ناگزیر شئے ہے۔ بیمہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد ایک بڑی رقم حاصل ہوتی ہے۔ جو بچوں کی شادی وغیرہ کے لئے کام آ سکتی ہے۔ جو لوگ بیمہ کو قمار اور سود کی ایک شکل نہیں قرار دیتے اور اس کو مذہبیاً ناجائز نہیں تصور کرتے ان کے لئے بیمہ اپنی کمائی کو محفوظ کرنے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کا ایک نہایت مفید طریقہ ہے!۔

خلاصہ — غرض دور اندیشی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے اور یہ انسان ہی کی مخصوص صفت ہے! اس سے جس خوش نصیب کو حصہ ملتا ہے" وہ مبارک بندہ کہلاتا ہے ع:-

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اس سے زندگی میں سکون پیدا ہوتا ہے، اضطراب دور ہوتا ہے، غم و اندوہ، فکر اور پریشانی کے راستے بند ہو جاتے ہیں، زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے مآل اندیشی ہی کی وجہ سے انسان اپنے حد سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ سے اس کو غیر کا محتاج ہونا نہیں پڑتا۔ حیرانی و پریشانی اٹھانی نہیں پڑتی، طمانیت و سکون حاصل ہوتا ہے سچ کہا ہے کسی دانا نے ؎

پا منہ بیروں ز حد خویش تا بینا شوی
نیست حاجت با عصا در خانہ خود کور را (صائب)

باب (۴)

اوقات فرصت کا صحیح استعمال

آنکہ مصرف میکند پیدا برائے سیم و زر
کاش نقد وقت را ہم مصرفی پیدا کنی
(صائبؔ)

فرصت کا وقت کونسا ہوتا ہے؟

انسان کی زندگی وقت کے لحاظ سے تین مساوی حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے، نیند، کام، اور خانگی زندگی۔ خانگی زندگی سے کھانے پینے اور ضروری کاموں کے وقت کو نکال دیا جائے۔ تو جو وقت بچ رہتا ہے وہ "فرصت کا وقت" ہے اور یہاں ہمیں اسی وقت کے صحیح مصرف کا تعین کرنا ہے! وقت خواہ وہ کام کا ہو یا فرصت کا، سچ پوچھو تو ایک قیمتی خزانہ ہے اس کو کبھی ضائع نہ کرنا چاہیے! مقصود پیش نظر رہے اور اسی کی تکمیل میں زندگی کا ہر لحظہ صرف ہو! اب

مقصود کا حصول نہ صرف اوقاتِ کار کے صحیح استعمال سے ہو سکتا ہے بلکہ اس کے لئے اوقاتِ فرصت کو بھی صحیح طریقہ سے استعمال کرنا ضروری ہے تاکہ وقت آخر ہمیں اپنی ناکامی پر حسرت نہ رہ جائے ؎

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے؟

کام کی صلاحیت میں اضافہ اور کارکردگی کی قوت میں زیادتی اوقات فرصت کے صحیح استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اوقات فرصت کے بارے میں روما کے شہرہ آفاق شاعر اووِڈ (Ovid) کا قول مشہور ہے کہ "وہ ایک طرف تو جسم کے تغذیہ اور اس کی راحت و آرام کا باعث ہوتے ہیں اور دوسری طرف جان و روح کی تقویت اور استراحت کا سبب اور اعتدال سے زیادہ محنت جسم و جان دونوں کی توانائی کو سلب کر لیتی ہے"

اوقات فرصت کا استعمال کس طرح کیا جائے؟

اس حکیمانہ قول سے ہمیں اوقات فرصت کے استعمال کے مقاصد سمجھ میں آتے ہیں جنکی تفصیل اس طرح کی جا سکتی ہے:-

(۱) استراحت کے لئے

(۱) پہلا مقصد استراحت ہے۔ ذہنی اور جسمانی استراحت صحیح معنی میں جسم انسان کا یہ زبردست مطالبہ ہے اور اسکی تشفی قطعاً ضروری ہے۔

(۲) فرد اور جماعت کی زندگی کی توفیر کے لئے

(۲) دوسرا مقصد فرد اور جماعت کی توفیر ہے یعنی اوقات فرصت کا استعمال وہ تخلیقی فعلیت کے ذریعہ جو فرد کی زندگی کو بھی خوش گوار نتائج و ثمرات سے مالامال کرتی ہے اور سوسائٹی کے لئے بھی مفید

ہوتی ہے۔ ان ہی مقاصد کی کسی قدر صراحت تمہیں ذیل میں ملے گی:۔

(۱) جسمانی و ذہنی استراحت
جسم کا حق

(۱) جسمانی و ذہنی استراحت:۔ "جو لوگ استراحت اور آرام کے لئے وقت نہیں نکالتے۔ انہیں کچھ دن بعد بیماری کے لئے وقت نکالنا ہی پڑتا ہے"۔ یہ امریکہ کے ایک مشہور کاروباری شخص کا قول ہے جو سخت محنت کا عادی تھا لیکن جو اپنی صحت کی حفاظت کی خاطر آرام و استراحت کیلئے بھی وقت نکالتا تھا! جسم انسانی کا بھی حق ہوتا ہے اگر اس حق کو ادا نہ کیا جائے تو وہ ایک دم ہڑتال کر بیٹھتا ہے' اس کی ہڑتال بیماری ہے' جب یہ بیمار ہو جاتا ہے تو پھر نہ ذہن ہی کو اپنے فرائض ادا کرنے دیتا ہے اور نہ روح کو' اب نہ دنیا کے کاروبار ہی چلتے ہیں اور نہ عاقبت کے' نہ خدا ہی ملتا ہے اور نہ وصال صنم' ہم نہ اُدھر کے ہوتے ہیں اور نہ ادھر کے: نہ ہمیں دنیا ہی میں لطف ملتا ہے اور نہ عبادت ہی سے سرور حاصل ہوتا ہے اور ہم میر کی تمنا میں شریک ہو کر کہتے ہیں ؎

ہستی میں ہم نے آ کر آسودگی نہ دیکھی!
کھلتیں نہ کاش آنکھیں خوابِ خوشِ عدم سے!

استراحت کے مختلف طریقے
گلاڈسٹن کا طریقہ
سونے سے پہلے قلب اذکار سے خالی

اس لئے جسم کا حق ادا کرنے میں تامل نہ کرنا چاہیئے' وہ محنت کے بعد استراحت چاہتا ہے' اس سے سخت محنت لینی چاہیئے اور کچھ آرام بھی دینا چاہیئے۔ آرام کے طریقے کئی ہیں! ایک طریقہ گلاڈسٹن[1] کا تھا جو چار مرتبہ انگلستان کا وزیر اعظم رہ چکا ہے اور سخت مذہبی

---

[1] سنہ ۱۸۰۹ء تا سنہ ۱۸۹۸ء۔

آدمی تھا۔ اور وہ یہ کہ جب وہ سونے جاتا تو اپنے کپڑوں کے ساتھ اپنے تمام افکار کو بھی اتار کر رکھ دیتا بستر پر ہلکا ہو کر سوتا غم و تردد کا بار اپنے قلب پر لے کر نہ سوتا! مذہب نے اسکو غم سے نجات کا طریقہ سکھلایا تھا۔ اور وہ تفویض اور توکل کا طریقہ تھا! دن بھر کی پوری محنت و ریاضت کے بعد ہر قسم کے آلام و افکار کے بعد جب وہ بستر پر جاتا تو اپنے تمام معاملات کو اپنے خدا کے سپرد کر دیتا اور خود ان کے بارے ہلکا ہو جاتا تا گہری نیند سوتا اور صبح تازہ دم ہو کر اٹھتا!

دن کو کام کے وقت سخت محنت کرو اور آرام کے وقت کامل طور پر آرام لو یہ وہ قاعدہ ہے جس کی پابندی سے کارکردگی، مسرت اور صحت تینوں نعمتیں ایک ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔ استراحت کے لئے تمہیں قلب کو خالی کر دینا چاہیئے ___ افکار سے، مسائل سے، اغراض سے، جھگڑوں سے، مسرتوں اور ناامیدیوں سے ۔ ہر چیز سے آزاد کر دینا چاہیئے! تاباں کے ہم زبان ہو کر کہنا چاہیئے ؎

دنیا کے نیک و بد سے کچھ تاباں نہیں ہے مجھکو غم
گردوں ہوا تو کیا ہوا اور دوں ہوا تو کیا ہوا

اگر تم رات میں سو نہیں سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ بستر میں اپنے افکار کو بھی لیتے آتے ہو اور افکار سے زیادہ برا بستر کا ساتھی اور کون ہو سکتا ہے؟ وہ تمہیں کبھی سونے نہ دیں گے گزشتہ واقعات پر تاسف و غم آنے والے واقعات کے متعلق خوف و اندیشہ جو مسائل حل نہیں ہوئے ان کے ممکنہ حل اور دنیا بھر کے بناوٹی خیالات نہ معلوم کہاں سے چلے ہی آتے ہیں! ان کا سلسلہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا! اور قلب ہے کہ

ان ہی پریشان خیالات کی بازی گاہ بن جاتا ہے اور باوجود یہ جاننے اور ماننے کہ "موت کا ایک وقت معین ہے" "نیند شب بھر نہیں آتی"!

آخر اپنے آرام کو اپنے اوپر اسطرح کیوں حرام کیے لیتے ہو؟ گلاد سٹن کی طرح تمہیں اپنے افکار کو اپنے کپڑوں کی طرح تہ کر کے کونے میں رکھ دینا چاہیئے اور "جو قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے" کہکر اطمینان سے سو رہنا چاہیئے! اور اگر تم نے اس بات کا غم کرنا شروع کر دیا کہ تم فوراً سو نہیں سکتے تم نے ایک اور فکر کا اضافہ کیا اور اسی مناسبت سے نیند کو اور بھی مشکل بنا دیا! اب تم کو ایک غم تو زمانے کی بے وفائی کا تھا ہی دوسرا غم تم نے نیند کے نہ آنے کا پیدا کر لیا! نیند کے نہ آنے سے تمہارے غموں میں اور بھی اضافہ ہو گیا! اب تم دیکھ رہے ہو کہ صحت چلی، مسرت چلی، کارکردگی کی صلاحیت و قوت چلی ؎

وہ چلا جان چلی دونوں بہانے کر کے
اُس کو تھاموں کہ اسے یا فُرقت دل کس کس کے (مومن)

ڈیسن کا طریقہ؛ اثنائے کار میں استراحت کے قلیل وقفے۔

استراحت کا ایک اور طریقہ وہ تھا جس پر ٹامس اڈیسن کاربند تھا جو امریکہ کا شہرۂ آفاق موجد ہے جس کی فکر تحقیقی نے دنیا کو خود کار ٹیلیگراف کی نعمت عطا کی۔ وہ زیادہ سوئے بغیر طویل عرصہ تک کام کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ذہنی استراحت کے قلیل وقفے بھی کس قدر مفید ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ وہ رات میں تین چار بجے تک مسلسل اپنے معمل میں کام

۱۸۴۷ء تا ۱۹۳۱ء۔ اس نے ہزار حصہ زیادہ ایجادات پیٹنٹ کرائے۔

کرتا رہا اسی دوران میں وہ دو تین کتابوں کو اپنی میز ہی پر تکیہ بنا کر گہری نیند سو گیا ! پندرہ منٹ یا آدھے گھنٹے بعد جاگ اٹھا تازہ دم او پھر کام کرنے کے قابل ! ان قلیل وقفوں میں استراحت کرنے کی وجہ سے وہ اس قابل ہو جاتا تھا کہ طویل عرصہ تک کام میں لگا رہے اور جب اس کا کام ختم ہو جاتا تو پھر وہ طویل مدت تک آرام لیتا۔ ایک مرتبہ وہ اس طرح مسلسل ۶۰ گھنٹے تک کام کرتا رہا اور اس کو ختم کر کے مسلسل ۳۶ گھنٹے سوتا رہا' اڈیسن جانتا تھا کہ کام کس طرح کرتے ہیں لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ آرام کس طرح لیتے ہیں کام اور آرام دونوں لازم و ملزوم ہیں' نہ جدا ہونے والے ہیں!

لیکن جھپکی لے اٹھنا ہی استراحت کا ایک طریقہ نہیں' کام کرنے والوں نے وقفیہ استراحت کے کئی طریقے ڈھونڈ نکالے ہیں۔ یہ طریقے آرام حاصل کرنے کیلئے اتنے ہی مفید اور ضروری ہیں جتنی کہ پوری طرح سو جانے کی قابلیت ہر شخص کا جدا طریقہ ہو سکتا ہے۔

مثلاً مذاق بھی ایک مفید طریقہ ہے اڈیسن مزاح' دل لگی اور مذاق کے لئے وقت نکال ہی لیتا تھا۔ اسی طرح لنکن[1] (امریکہ کا شہرۂ عالم صدر جس نے غلاموں کو آزادی بخشی) آفت اور مصیبت کے وقت بھی مزاح نہیں چھوڑتا تھا' اس طریقہ سے اس کے اعصاب کو ناقابل برداشت بار سے نجات مل جاتی تھی نپولین کا پسندیدہ کھیل آنکھ مچولی تھا کارڈنل مزارن[2] (Cardinal Mazarin) (مشہور سیاست دان اور صدر گرجا جس نے یورپ کی جنگ

مزاح بھی استراحت کا طریقہ ہے

لنکن

کھیل اور استراحت نپولین اور مزارن

۱؎ سنہ ۱۸۰۹ء تا سنہ ۱۸۶۴ء

۲؎ سنہ ۱۹۰۲ء تا سنہ ۱۹۹۱ء

سی حال کو صلح نامہ دستخط لیا کے ذریعہ کامیاب اختتام کو پہنچایا) کی تفریح کا طریقہ اور زیادہ عجیب تھا۔ وہ ایک کمرے میں بند ہو جاتا اور اپنی کرسیوں کو ایک خاص ترتیب سے رکھ لیتا۔ اور ان پر سے کودتا اچھلتا ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو اپنا وقار باقی رکھنا پڑتا ہے۔ اسی لئے وہ اس قسم کی حرکتیں پوشیدہ طریقہ ہی سے کر سکتے ہیں باہر والے خیال کرتے ہیں ان کو اس قسم کی طفلانہ حرکتوں سے کیا تعلق؟ لیکن انہیں اس کا علم نہیں کہ اس قسم کے کامل استراحت کے مختصر وقفے جسم و روح کے آرام و سکون کیلئے کس قدر مفید اور ضروری ہیں! تفریح جس قدر طفلانہ ہوگی اسیقدر قیمتی بھی ہوگی!

فٹ بال ٹینس وغیرہ

بہرحال ہر شخص کی تفریح کا کوئی طریقہ ضرور ہونا چاہیے خواہ یہ کوئی مستقل کھیل ہو جیسے فٹ بال ٹینس گولف آنکھ مچولی یا محض اٹھ کر دفتر ہی اطراف چکر لگانا یا کھڑکی میں سے باہر جھانکنا کرسیوں پر سے کودنا خواہ کچھ ہو مگر ہو ضرور تاکہ اعصاب کا تناؤ دور ہو اور سکون حاصل ہو۔ کوئی شخص ان تفریحات کے بغیر مسلسل کام نہیں کر سکتا۔ اگر تم نے اس قسم کا کوئی مشغلہ نہیں پیدا کر لیا ہے تو تم محسوس کروگے کہ تم خستہ اور افسردہ ہوتے جارہے ہو اور زندگی میں لطف نہیں ملتا ہے اور بے اختیار یہ شکایت تمہاری زبان سے نکل جائے گی ؎

اب تو افسردگی ہی ہے ہر آن
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ زمانے ہیں
(میر)

کام کی نوعیت کا بدل دینا بڑی استراحت کا باعث ہے

سکون و استراحت کے حصول کا ایک نہایت عمدہ طریقہ کام کی نوعیت کا بدل دینا ہے

جسمانی یا ذہنی تھکن بھی عجیب سی چیز ہے۔ جب انسان تمام دن محنت کرکے تھک جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ اس قسم کے کام کو کرنے کی سکت نہیں رکھتا لیکن دوسری قسم کے کام مثلاً ٹینس، تیراکی یا ذہنی کام مثلاً تقریر سننے جانا یا مشکل مقالوں یا کتابوں کے پڑھنے میں ممکن ہے کہ وہ بالکل تازہ دم محسوس کرے۔ اس اصول کو یاد رکھو کہ جب تم ایک کام میں تھکن محسوس کرو تو اس کو بدل کر دوسرے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ اس تبدیلی سے تمہیں آرام محسوس ہوگا! جن لوگوں کو سخت محنت کرنی پڑی ہے انہوں نے ہمیشہ اس تدبیر سے کام لیا ہے۔ ان کا کام بھی اچھا ہوا ہے اور انہیں استراحت بھی نصیب ہوتی ہے۔

روزولٹ وغیرہ کا عمل

امریکہ کے مایہ ناز صدر روزولٹ، گلاڈسٹن اور فورڈ سیموں نے اس عمل کے موثر ہونے کی تصدیق کی ہے۔ روزولٹ نے جو کچھ حیرت انگیز کام کیا ہے وہ اسی وجہ سے کیا ہے کہ وہ ایک کام سے جب تھک جاتا تو اسکو چھوڑ کر فوراً دوسرے کام میں منہمک ہو جاتا۔ کام کی نوعیت کا بدل دینا ہی اس کیلئے استراحت کا طریقہ تھا۔

اسی لئے دن کا کام شروع کرنے سے پہلے ایک نظام العمل کا بنا لینا نہایت ضروری ہے۔ کسی کام کا پیچھا اتنا نہ لو کہ بالکل تھک جاؤ! اور مجبوراً تمہیں اس کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنا پڑے۔ ابتدا ہی میں دن کو چند مختصر حصوں میں تقسیم کر لو اور ہر حصہ کے لئے ایک کام مختص ہو، ایک کے ختم ہونے کے بعد دوسرا کام لو، پھر دوسرا، اور بالآخر پہلا۔ اگر اس طریقہ سے کام کروگے تو کام زیادہ بھی ہوگا اور دن کے آخر میں تم نسبتۃً تازگی بھی محسوس کروگے!

استراحت اور مشکل مسائل کا حل!

عجیب بات ہے کہ سکون و استراحت سے ان مسائل کے حل بھی سوجھتے ہیں جو سعی و کوشش کے باوجود ناقابل حل نظر آرہے تھے! کسی مسئلہ کے حل کی ہم فکر کر رہے ہیں لیکن کوئی بات نہیں سوجھتی، تھک کر دماغ اسی نقطہ پر لوٹتا ہے جہاں سے شروع کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں ہمیں چاہیئے کہ اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیں اور کسی دوسرے کام پر لگ جائیں۔ اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم کسی اور کام میں مشغول ہوتے ہیں اور ہماری توجہ کا مرکز یہی کام ہوتا ہے یکبارگی ہمارے قلب میں ایک خیال آتا ہے اور یہ ہمارے اس مشکل مسئلہ کا حل ہوتا ہے۔

جذبات فکر کے چشمہ کو گدلا کر دیتے ہیں۔ جب کبھی مسئلہ کا حل نہیں سوجھتا تو ہمیں طیش آتا ہے۔ اضطرار پیدا ہوتا ہے۔ اضطرار اور طیش کی حالت میں مسئلہ کا حل ناممکن ہے! آسان ترکیب یہ ہے کہ ہم اس کا خیال ہی چھوڑ دیں، کسی اور کام میں منہمک ہو جائیں، یا کامل طور پر آرام لیں تازہ دم ہو کر تم اس پر غور کر سکتے ہو لیکن اکثر صورتوں میں حل خود بخود تمہارے ذہن میں اس وقت نمایاں ہو جاتا ہے جب تم اس پر غور ہی نہیں کر رہے کسی اور کام میں لگے ہو یا ستا رہے ہو۔

(۱) فرد اور جماعت کی زندگی کی توفیر

(۲) فرد اور جماعت کی زندگی کی توفیر: اوقات فرصت کا پہلا مقصد جسمانی اور ذہنی استراحت ہے جس کی کسی قدر تفصیل تم نے اوپر پڑھی۔ فرصت کے اوقات کو "تخلیقی فعلیت" کے ذریعہ تم اس طرح بھی استعمال کر سکتے ہو کہ خود تمہاری زندگی خوش گوار ثمرات سے مالامال ہو جائے اور

سوسائٹی کو بھی کافی فائدہ پہنچے۔ اس میں شک نہیں کہ استراحت کی وجہ سے تمہاری کارکردگی میں اچھا خاصہ اضافہ ہوتا ہے، صحت قائم رہتی ہے، اس طرح تم سوسائٹی کے لئے ایک مفید فرد ثابت ہوتے ہو اور اپنے مفوضہ کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہو، لیکن فرصت کے اوقات کے استعمال کا ایک اور طریقہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں اور یہ "تخلیقی فعلیت" کا طریقہ کہلاتا ہے۔

اس طریقہ کے استعمال کے لئے تمہیں "خود شناسی" سے کام لینا چاہیئے، یعنی یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ تمہاری قابلیتیں کیا ہیں؟ تمہاری دلچسپیاں کیا؟ اگر تمہیں کسی چیز میں دلچسپی ہو لیکن اس کی قابلیت نہ ہو تو اس دلچسپی کی وجہ سے اس کام کی قابلیت بھی حاصل ہو سکتی ہے اور اگر قابلیت ہو دلچسپی نہیں، تو اسی کام کی راہیں جو تمہارے لئے بالکل نئی ہیں نکالی جا سکتی ہیں اور ان میں تم کو دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے۔

تمہیں دلچسپی کن سے ہے؟

دیکھو تمہیں یا تو اشیاء سے دلچسپی ہو سکتی ہے یا اشخاص سے۔ یا تصورات سے کیونکہ دنیا میں یہی تین چیزیں تو ہیں۔

اشیاء سے؟

اگر تمہیں اشیاء سے دلچسپی ہے تو تمہیں اس کو ترقی دینی چاہیئے اور میکانیکی چیزوں کو بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے مثلاً ڈارک روم کا بنانا، موٹر سیکل یا کار کی مرمت و درستی ایک عملی انسان کے لئے یہ نہایت دلچسپ تفریحی مشغلے ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان میں کمال پیدا کیا جا سکتا ہے، تخلیقی فعلیت کی اچھی مثالیں ہیں، فرد کا وقت بھی اچھا گزرتا ہے سوسائٹی بھی اس سے مستفید ہوتی ہے۔ باغبانی بھی

ـ ایسا تفریحی مشغلہ ہے جو مرد اور عورت دونوں کے لئے نہایت
جسپ بھی ہے اور مفید بھی۔

اص سے؟

اور اگر تمہیں اشخاص سے دلچسپی ہے تو اس کے اظہار
کے ہزاروں موقعے ہیں۔ لوگوں سے ملنے کی کوشش کرو
کلب کے ممبر بن جاؤ۔ اگر تم ایک ذمہ دار انسان بننے کی اہلیت
تے ہو اور قیادت کا تم میں مادہ ہے تو اس کو اجاگر کرنے کی کوشش
. فلاح عامہ کے کاموں میں حصہ لو۔ میر محلہ بن کر محلہ کے انتظامات
، دلچسپی لو۔ مقننہ کے رکن بننے کی کوشش کرو۔ اور اپنی قابلیت کو
ـ اور سوسائٹی کی اصلاح میں استعمال کرو۔

رات سے؟

اور اگر تمہاری دلچسپی نہ اشیاء سے ہے اور نہ اشخاص
سے بلکہ تصورات سے ہے تو تمہیں کتابوں کا مطالعہ بے حد
ید ہوگا۔ یہی تمہارا تفریحی مشغلہ ہونا چاہیئے اور یہی تمہاری
یقی فعلیت ہے۔

لعہ کتب

یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مطالعہ بغیر
کسی مقصد و غایت کے فضول ہے۔ مقصد و غایت ہی
، افعال میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔ زندگی میں مرکز کا شعور پیدا ہوتا
، قوتیں ایک نقطہ پر جم جاتی ہیں، ان میں پراگندگی نہیں پیدا ہوتی
لئے نتیجہ کے حصول میں کامیابی جلدی ہوتی ہے۔ اس لئے تمہارے
العہ کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ جو کتاب ہاتھ لگے اسے پڑھ جانا
ہر مضمون میں سطحی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنا زیادہ مفید نہیں
اس سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ مطالعہ کا اگر کوئی مقصد ہو تو پھر

توانائی ایک مرکز پر لگ جاتی ہے۔ تمہارا مقصد کسی ایک خاص مضمون میں مہارت پیدا کرنی ہو خواہ یہ مضمون یا فن کچھ ہو اور کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کے لئے تم شام کے "درسی حلقوں" میں شریک ہو سکتے ہو "مراسلت" کے ذریعہ جو تعلیم دی جاتی ہے (Correspondence Course.) اس سے استفادہ کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری تمام قوتوں کو ایک نقطہ پر مرکوز کر دیں گی اور تمہاری فرصت کا وقت نفع اور آرام دونوں کے نقطۂ نظر سے اچھا گزرے گا۔

یاد رکھو کہ کوئی قیمتی چیز مفت ہاتھ نہیں آتی تمہیں اس کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ کسی چیز میں مہارت پیدا کرنے کیلئے تمہیں کافی محنت کرنی پڑے گی لیکن اس محنت کے بعد جب تمہیں قابلیت اور کمال حاصل ہو گا۔ اور ساتھ ساتھ لطف و سرور بھی تو تمہیں اپنی محنت کا معاوضہ کامل طور پر مل جائے گا۔ تمہیں احساس ہو گا کہ اوقات فرصت کو اس طرح استعمال کر کے تم نے اپنی شخصیت کو بھی کامل بنا لیا، زندگی سے پورا پورا استفادہ کیا، اور اپنی قابلیت سے دنیا والوں کو بھی محروم نہ رکھا! اس لئے فرصت کے اوقات کو محض کاہلی میں بسر نہ کرنا چاہیئے کچھ تو کرنا چاہیئے ؎

پھر نہیں بیر تم کاہلی الشمر رہے!
نام خدا جوان ہو کچھ تو کیا چاہیئے!

باب (۵)

اعتدال و پرہیزگاری

خانۂ ہر کہ باندازہ بود چوں زنبور[۱۲]

ہمہ ایام حیاتش بہ حلاوت گزرد!

روح و جسم

فطرت انسانی دو چیزوں سے بنی ہے۔ روح و جسم۔ جسم روح کا ایک آلہ ہے اور اس کی ایک خارجی علامت ہے۔ ہمارے اس بیان سے کسی کو اختلاف کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ مادہ پرست تک

جسم روح کا خادم ہے! دو قوانین کا اس سے استنباط!

جو روح کو جسم ہی کی ایک لطیف صورت قرار دیتا ہے ہمارے اس بیان کو قبول کرے گا وہ بھی جسم کو روح کا خادم ہی قرار دیتا ہے جسم کا کام روح کی خدمت گزاری ہے۔ اب اس امر میں بھی سبھوں کو اتفاق ہے کہ اچھے خادم کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں خادم کو چاہیے کہ

کام زیادہ کرے سختیوں اور دشواریوں کو برداشت کرے - اور آقا سے اجرت کا مطالبہ زیادہ نہ کرے - اور اپنے مطالبات سے اس کو پریشان نہ کرے اب جسم میں بھی انہی صفات کا پایا جانا ضروری ہے - تاکہ وہ روح کا ایک اچھا خادم ثابت ہو سکے - توانا و تندرست جسم مشقتوں کو زیادہ برداشت کرنے کے قابل ہوتا ہے اور اس کے مطالبات کبھی زیادہ نہیں ہوتے - نحیف و ناتوان جسم کی کارگزاری تو کچھ زیادہ نہیں ہوتی لیکن مطالبات بہت گران ہوتے ہیں - فرائض انسانی کے سلسلہ میں یہیں سے یہ قانون نکلتا ہے کہ "وہ کام کر جس سے جسم کی صحت اور طاقت بڑھے - اور اس کام سے بچو جس سے صحت و قوت گھٹے"

پہلا قانون

جسم کا دوسرا کام روحانی زندگی کو ظاہر کرنا ہے، جسم روحانی زندگی کے اظہار کا ایک آلہ ہے - حسین اور نیک روح کی مرئی علامتیں جمال اور رعنائی ہیں - رعنائی اس حسن کا نام ہے جس کو فرد نے اپنی زندگی میں حاصل کیا ہے - سکون طمانیت جس روح میں پائی جاتی ہے اس کا اظہار موزوں افعال پُر سکون حرکات اور باوقار افعال میں ہوتا ہے یہیں سے ایک دوسرا قانون عمل سمجھ میں آتا ہے کہ :-

دوسرا قانون

"اپنے جسم کی اس طرح تربیت کرو کہ وہ اس مرئی عالم میں روح کے غیر مرئی حسن و جمال کا کامل مظہر بن جائے"

غذائیات اور ورزش جسمانی (جمناسٹک) کی کتابوں میں تمہیں ان قوانین کی تفصیلات ملیں گی - ہمیں یہاں صرف ان کے اخلاقی پہلو پر کچھ روشنی ڈالنی ہے - اور چند اصول کی توضیح کرنی ہے جن کا تعلق

کھانے پینے کی چیزوں میں اعتدال اور پرہیزگاری سے ہے۔

کون سی غذا مفید ہوتی ہے؟

جسم انسان کی صحت اور طاقت کے برقرار رکھنے کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہی غذا مفید قرار دی جا سکتی ہے جو اس غایت کے حصول میں کارآمد ہو۔ اور جیسا کہ اوپر کہا گیا جسم کی حفاظت اور صحت کا خیال اس لئے رکھا جانا چاہیئے کہ یہ روح کی خدمت گزاری کا قوی ذریعہ ہے۔

غذا سے مقصود صحت ہے نہ کہ محض لذت

غذا کے استعمال میں بس یہی اصول پیش نظر رہنا چاہیئے کہ مقصود صحت و طاقت ہے نہ کہ صرف لذت و لطف اس مقصود کے حصول کے لئے اعتدال کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔ انسان ہی کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی غذا مصنوعی طریقہ سے تیار کرتا ہے اور اس کے لئے آگ کا استعمال کرتا ہے آگ کے استعمال نے انسان کو فطرت کے محدود دائرہ سے آزاد کرنے میں بڑی مدد کی ہے۔ حیوانات اپنی غذا کے لئے یا تو نباتات پر اکتفا کرتے ہیں یا پھر دوسرے جانوروں کو اپنا لقمہ بناتے ہیں لیکن انسان نے اس بارے میں نہایت آزادی سے کام لیا۔ اور اپنے کو زمین کا مالک و مختار بنا لیا! اس نے ہر جگہ ایسی چیزیں پائیں جن کو آگ کی مدد سے غذا کی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اس طرح غذا کے دائرہ کو اس نے لامحدود بنا لیا! اب غذائیں ایسی تیار ہونے لگیں جو ذائقہ میں تو نہایت لذیذ ہوتی ہیں لیکن صحت و قوت کے نقطہ نظر سے ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی! پرخوری اور بلانوشی کی صنعتیں لذت ہی کی خواہش نے رفتہ رفتہ انسان میں پیدا کر دیں نتیجہ یہ ہوا کہ انسان یہ سمجھنے لگا کہ زندہ رہنا کھانے اور لطف

اٹھانے کے لئے ہے، مقصودِ حیات تن ہے حیاتِ روح نہیں، جسم روح کا خادم نہیں، روح جسم کی خدمت گزار ہے!

کاسہ برکاسہ است و نان بر نان مدام
(مثنوی)
از برائے این شکم خوران عام

جب "غذا کے آلات" کو انسان نے "لذت کے آلات" میں تبدیل کر لیا اور غذا لذت کی خاطر کھائی جانے لگی تو پھر نشہ آور چیزیں بھی دریافت کر لی گئیں جو لذت میں شدت اور زیادتی پیدا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ اس طرح لذت کے پرستاروں نے تن کو فربہ اور روح کو لاغر کرنے کے سارے سامان فراہم کر لئے۔

اعتدال

اخلاقی نقطۂ نظر سے لذتوں کا استعمال ناجائز نہیں۔ صرف احتیاط اتنی کرنی چاہیے کہ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ جو چیزیں خدا نے انسان کے لئے حلال کی ہیں ان سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہے لیکن انسان جس چیز کے پیچھے پڑتا ہے اس میں عموماً افراط و تفریط کا خیال نہیں رکھتا اور جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو بجائے نفع کے ضرر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قدرت کا یہ راز انسان نے بارہا تجربے سے دریافت کر لیا ہے کہ ہر شئے کا حسن اور اس کی خوبی توسط یا اعتدال میں پائی جاتی ہے، افراط اور تفریط میں نہیں۔ انسان کی فطرت میں قدرت نے جو جذبات پیدا کئے ہیں وہ بذاتہ نہ اچھے ہیں نہ برے۔ ان کے استعمال سے ان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ شہوانی جذبات میں جب اعتدال قائم کیا جاتا ہے تو عفت حاصل ہوتی ہے یعنی کھانے پینے اور نکاح کے معاملات میں وہ عمل اختیار کر لیا جاتا ہے جو جسم کے بقا و تحفظ میں ہر طرح مفید ثابت ہوتا ہے اور صرف

پاک ہے کھانے پینے میں اعتدال کے معنی یہ ہیں کہ وہ اشیاء جو صحت جسمانی کے لئے مفید ہیں نہ اسقدر زیادہ کھائی جائیں کہ معدہ انہیں ہضم ہی نہ کر سکے اور نہ اسقدر کم کہ انسان کی کمر ہی سیدھی رہ سکے! پرخوری تمام اعضا کو خراب کر دیتی ہے کیونکہ اس سے معدہ بگڑ جاتا ہے اور جسم لحنت اور ریاضت کے قابل نہیں رہتا اور اہل دل کا تجربہ ہے کہ زیادہ کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور اس کا نور زائل، دل کی مثال کھیتی سے دی گئی ہے اور کھیتی زیادہ پانی سے بگڑ جاتی ہے اسی سے حضرت سعدیؒ کا یہ قول مشہور ہے:۔

پُرخوری کے مضرات

اندروں از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی [۵۹]

یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ پُرخور کی سمجھ اور عقل کم ہوتی ہے سعدیؒ نے اس راز کا یوں افشا کیا ہے:۔

تہی از حکمتے بعلت آں
کہ پری از طعام تا بینی [۶۰]

تقلیل کب مناسب نہیں!

غذا میں دوسری جانب اتنی کمی بھی نہ کی جائے کہ صحت متاثر ہونے لگے، عفت یا پرہیزگاری کے یہ معنی نہیں کہ انسان جائز نعمتوں کو چھوڑ دے گھاس پات کے سوا کچھ نہ کھائے بھوکوں مرے، پیاس لگے تو پانی نہ پیئے؟ عمر بھر نکاح نہ کرے قوت شہوانی کے مقابلہ میں اپنی ساری توانائی صرف کر دے، نیند آئے تو آرام نہ کرے، غرض نفس کے "حقوق" کو اسکے "حظوظ" قرار دے کر ترک کر دے! حقوق نفس کا

حقوق نفس ترک نہ کئے جائیں حظوظ میں تقلیل مناسب ہے!

ادا کرنا تو بہر حال ضروری ہے۔ رہیں نفس کی لذتیں! ان میں اعتدال ضروری ہے قدم جادۂ اعتدال پر گامزن ہو، نہ انہیں قطعاً ترک کر دیا جائے نہ اتنا غلو کیا جائے کہ زندگی کا مقصود کوتے کی طرح غلاظت خوری ہو جائے! جو شخص خدا کی نعمتوں سے لذت نہیں اٹھاتا وہ کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ یونان کے مشہور حکیم ارستی پوس نے کیا خوب کہا ہے کہ تعریف کا مستحق وہ شخص نہیں جس نے لذتوں کو قطعاً ترک کر دیا ہے بلکہ دراصل مستحق تو وہ شخص ہے جو انسے بغیر پوری طرح مغلوب ہو جانے کے لطف اندوز ہوتا ہے جادۂ اعتدال سے قدم آگے نہیں بڑھاتا! شہسوار تو وہ شخص ہے جو گھوڑے کو اپنے قابو اور اختیار سے باہر نکلنے نہیں دیتا نہ کہ وہ شخص جو گھوڑے پر سوار ہوتا ہی نہیں جانتا! اسی طرح نفس کی کسی قوت کو استعمال کرنے سے انکار کر دینا یا اس کو برباد کر دینا نامردی ہے لیکن اس کو اعتدال پر رکھنا! افراط و تفریط سے محفوظ رہنا، عین حکمت بھی ہے اور مردانگی بھی!

اعتدال زندگی کے ہر معاملہ میں

اعتدال اور میانہ روی نہ صرف کھانے پینے کے معاملات میں ضروری ہے بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں اسی اصول پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ مثلاً ہماری چال ڈھال میں

چال ڈھال میں

نہ اتنی تیز ہو کہ چال میں متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ اتنی دھیمی کہ ریاکار زاہدوں کی نمائشی چال بن جائے

سخاوت اور فیاضی میں بھی بے اعتدالی سے پرہیز لازم ہے۔ نہ یہ اچھا ہے

سخاوت میں

کہ دوسروں کو اپنا سب کچھ دے کر تم خود اتنے محتاج بن جاؤ کہ بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے اور محتاجوں میں ایک نئے محتاج کا اضافہ ہو جائے اور نہ اتنا بخل کرو کہ گویا اپنا ہاتھ

گردن میں باندھ رکھا ہے۔ بخل اور اسراف دونوں بُرے ہیں۔ درمیانی راہ اچھی! مذہب اسلام نے تو عبادت میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے۔ یعنی یہ نہ اتنی زیادہ ہو کہ آدمی دوسرے دھندوں کے لائق نہ رہے اور نہ اتنی کم ہو کہ حق سے غفلت ہو جائے!

پرہیزگاری

کھانے پینے کے معاملہ میں ان چیزوں سے کلی پرہیز لازمی ہے جو جسم اور روح کے لئے قطعاً مضر ہیں۔ اس سلسلہ میں شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کا ذکر ضروری ہے ہم نے اوپر یہ کلیہ تسلیم کر لیا ہے کہ جسم روح کا خادم ہے اور خادم وہی اچھا جو کام زیادہ کرے اور مطالبات کم۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ تندرست قوی اور توانا ہو۔

شراب کے نقصانات

شراب جسمانی صحت و اعتدال کے لئے بے حد مضر ہے اعضائے انسانی کو الکحل کا استعمال تباہ کر دیتا ہے یہ معدہ، جگر، قلب، دماغ، اعصاب، خون، آلات تنفس کو رفتہ رفتہ ضعیف کر کے جسم انسانی کی مشین کو بے کار کر دیتا ہے۔

معدہ

شراب جب معدہ میں پہنچتی ہے تو اعضائے رئیسہ اور معدہ پر اتنی تیزی سے اثر کرتی ہے کہ وہ اعتدال سے بڑھ کر کام کرنے لگتے ہیں۔ دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے دماغ میں جوش پیدا ہو جاتا ہے لیکن اعضا کی یہ چستی و چالاکی صحت کے لئے بالآخر مضر ہوتی ہے۔ کیونکہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو اعضا کسی خارجی محرک کے اثر سے اعتدال سے زیادہ کام کرتے ہیں وہ بہت جلد کمزور ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شراب خوار کا معدہ ہمیشہ خراب ہی ہوتا ہے اس کو بھوک

کم لگتی ہے۔

جگر

شرابی کا جگر عموماً بڑھ جاتا ہے، کیونکہ شراب جگر میں چربی پیدا کرتی ہے، یہ کئی امراض کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ان امراض کے نتیجہ کے طور پر شرابی کا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے، جی متلاتا ہے، یرقان ہو جاتا ہے، معدے کے مقام پر بوجھ محسوس ہوتا ہے، ریاح پیدا ہوتی ہے جلد خشک، پھیکی اور زرد ہو جاتی ہے، پیٹ بڑھنے لگتا ہے جس میں پانی ہوتا ہے، اب جگر چھوٹا اور طحال بڑھ جاتی ہے، پیٹ میں پانی یا ریاح بھر جانے کی وجہ سے سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے، جوں جوں مرض بڑھتا جاتا ہے معدے اور آنتوں سے خون جاری ہونے کا احتمال پیدا ہو تا جاتا ہے۔ اکثر مریض اسہال ہونے سے راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔

قلب

قلب پر شراب کا اثر ابتدا میں یہ ہوتا ہے کہ اس کی حرکت تیز ہو جاتی ہے، جب نشہ کم ہونے لگتا ہے تو ایک دم دل کی حرکت گھٹ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دل کی ساخت موٹی ہو جاتی ہے، اس میں چربی پیدا ہو جاتی ہے، دل دھڑکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پھیپھڑے

جو لوگ زیادہ شراب کے عادی ہیں ان کے پھیپھڑوں کی نازک ساخت بدل جاتی ہے، کھانسی، دمہ وغیرہ کے امراض کثرت سے ہوتے ہیں ان کے لئے ذرا سی بیماریاں بھی مہلک ہوتی ہیں مثلاً دو گھنٹے بخار آیا کہ نمونیا، ہیضہ یا کوئی اور مرض نمودار ہو گیا، ان دو ہی گھنٹوں میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ان کے جسم میں خون ہی نہیں پیدا کیا، ہیضہ جیسا معمولی مرض بھی ان کے لئے مہلک ہو سکتا ہے! شراب نوشی ان کے اعضا کو کمزور کر دیتی ہے، جسم کی حرارت غریزی

کم ہو جاتی ہے۔

خون — شرابی کے خون میں چربی کی مقدار کسی قدر بڑھ جاتی ہے اور ایسے کیمیائی تغیرات رونما ہوتے ہیں جن کی وجہ سے جسم کی حرارت گھٹ جاتی ہے۔

صحت کی اس بربادی کا نتیجہ صاف ظاہر ہے، شرابی کی عمر کم ہوتی ہے۔ بیمہ کمپنیوں کے دستاویزات اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ شرابی کی عمر پرہیزگار کی بہ نسبت کم ہوتی ہے۔ سہ

تنگ ظرفیکہ گردد مست می باشد خراب آخر
برنگ گل شود صد پارہ ایں کشتی بآب آخر

شراب کا اثر اخلاق پر — شراب نہ صرف صحت جیسی بیش بہا نعمت کو غارت کر دیتی ہے بلکہ اس کا اثر اخلاق پر بھی نہایت تباہ کن ہوتا ہے انسان کو حیوان پر تفوق عقل و ادراک کی وجہ سے حاصل ہے۔ شراب کا حملہ عقل و تمیز پر ہوتا ہے وہ ان میں فتور پیدا کر دیتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شرابی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور وہ کام کر گزرتے ہیں جن کو وہ ہوش کی حالت میں کبھی نہ کرتے۔ کتنے قتل کتنی خودکشیاں کتنے سخت حادثے اس کی بدولت روزانہ پیش آتے ہیں۔ سماج میں خلل پیدا ہوتا ہے، افراد کی زندگی امن و چین سے بسر نہیں ہوتی۔

[illegible] سبب پر — شراب سے پیدا ہونے والی اس معاشرتی خرابی کے علاوہ جو مذہبی برائی اس سے پیدا ہوتی ہے وہ صاف ظاہر ہے۔ انسان شراب پینے میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ خدا کی یاد اور اس کی عبادت سے جو زندگی کا سب سے بڑا فرض ہے غافل ہو جاتا ہے بلکہ خود اپنے مفید دنیوی کاموں سے ایسا کھو یا جاتا ہے کہ وہ دین کے ساتھ دنیا کے کام کا بھی نہیں رہتا۔

اور اس کی ساری زندگی ناکام اور نامراد ہو جاتی ہے۔

انجمن ترک مسکرات کے کارنامے

قوم و ملت کا قیام افراد کے میل ملاپ پر ہے ملت کی زنجیر افراد کی کڑیوں سے بنتی ہے۔ زنجیر کی قوت کڑیوں کی قوت ہی پر منحصر ہے جس قوم کے افراد جسم کے لحاظ سے توانا و تن و مند ہوں اور اخلاق کے لحاظ سے مستقل و مضبوط وہی قوم کشمکش حیات میں کامیاب ثابت ہوتی ہے اور تاریخ عالم میں اپنا نام چھوڑ جاتی ہے افراد کی جسمانی و اخلاقی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے حیدرآباد کی حکومت نے بھی "انجمن ترک مسکرات" کو قائم کیا ہے۔ حکومت کا مقصد رفتہ رفتہ شراب فروشی و شراب نوشی کا مٹا دینا ہے۔ تقریروں اور ڈراموں کے ذریعہ عوام کو شراب خوری کی مضرتوں سے واقف کرایا جا رہا ہے۔ خود شراب کی دکانیں بہ تدریج کم کی جا رہی ہیں۔ چنانچہ سنہ ۴۲ف میں ایسی شراب کی دکانیں (۶۰۹۰) تھیں سنہ ۴۷ف میں صرف (۳۴۸۶) رہ گئیں۔ اسی عرصہ میں تاڑی کی دکانیں (۷۳۴۴) سے کم ہو کر (۳۷۳۶) ہو گئیں۔ ولایتی شراب کا خرچ بھی اس دوران میں گھٹ گیا ہے یعنی (۴۷۱،۱۲) گیلن سے (۹،۹۶۳) گیلن ہو گیا ہے۔ انجمن کا قیام سنہ ۴۴ف میں عمل میں آیا۔ یہ چار زبانوں میں اپنا ارگن ماہانہ شائع کر رہی ہے۔ اور تمام ممالک محروسہ میں اس کو تقسیم کر رہی ہے۔ مختلف مقامات پر اس نے "ٹمپرنس ہال" تعمیر کئے ہیں اور اسی سلسلہ میں نمائش کا انعقاد بھی کیا کرتی ہے۔ اس نے کھیل کے میدان بنائے ہیں۔ پبلک جلسوں کا انتظام کیا ہے۔ میجک لانٹرن شو کے ذریعہ شراب نوشی کے مضرات کو واضح کیا جاتا ہے۔ محکمہ آبکاری سرکاری بھی اس انجمن کے کام کرنے والوں کے ساتھ تعاون عمل کر رہا ہے۔ اس کی پالیسی تحریص و ترغیب ہے جبر و اکراہ

ہیں۔ وہ خیالات کا تغیر چاہتا ہے خارجی جبر کو ابھی استعمال کرنا پسند نہیں کرتا۔

انٹرنیشنل آرڈر آف گڈ ٹمپلرس (International Order of Good Templars) کی شاخیں جو حیدرآباد اور میسور
ن "گرانڈ لاج" کے نام سے مشہور ہے اس سلسلہ میں اچھا کام کر رہی ہیں
ن کا دائرۂ عمل سکندرآباد، ترمل گری، اور بلارم ہیں۔ بنی نوع انسان
نشیلی چیزوں کے مضرات اور نقصانات سے بچاتے ہیں۔ یہ انجمنیں
ات و حکمت سے کام لے رہی ہیں۔ خدا کرے کہ ان کی کوشش کامیاب
۔ اور بنی نوع انسان کا ہر فرد اس کے دام فریب سے آزاد ہو کر امن
سکون، طمانیت و چین کی زندگی بسر کرے!

ببیں کہ فتنۂ عالم زیادہ میزاید لله
بصد ہزار غم آبستن است مادر عیش!

باب ۶

عفت و پاکبازی

جبلت کیا ہے!

حیوان کی طرح انسان بھی چند فطری میلانات لے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہ فطرت کا عطیہ ہیں۔ یہ وہ ساز و سامان ہیں جن سے لیس ہو کر وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ دیکھو بچہ پیدا ہوتا ہے، ماں اس کو چھاتی سے لگاتی ہے، بچہ اضطراری طور پر ماں کی سرپستان کی تلاش کرتا ہے اور اس کو چوسنے لگتا ہے۔ بالکل تمام تھن والے جانوروں کے بچوں کی طرح بغیر کسی خارجی تعلیم و تربیت کے وہ ماں کی پستان چوستا ہے اور اپنی غذا حاصل کرتا ہے جس کو فیاض فطرت نے اس کے پیدا ہونے کے پہلے ہی سے فراہم کر رکھا ہے! علماء نفسیات اس کے اس فعل کو جبلت سے تعبیر کرتے ہیں۔ غذا کے ذریعہ اپنی ذات کا تحفظ جبلت ہے، اس کا ظہور سب سے پہلے ہوتا ہے اور عمر کے آخری دن تک بھی یہ سرگرم عمل رہتی ہے۔ یہ نہایت قوی اور اہم جبلت ہے! اس کے علاوہ اور بھی جبلتیں ہیں، بچہ کے کان میں اچانک زور کی آواز آتی ہے

وہ چونک جاتا ہے اور خوف محسوس کرتا ہے۔ یہ "خوف" کی جبلت ہے! اسکی
گڑیا چھین لی جاتی ہے، وہ روتا ہے، غصہ ہوتا ہے اور شاید لڑتا ہے یا کاٹتا ہے
یہ نفسیات کی زبان میں بھی "غصہ" کی جبلت اور لڑائی کا "میلان"
کہلاتا ہے، جس کا اظہار اس کے والدین بھی کرتے ہیں جب ان کی کوئی
محبوب شئے ان سے زبردستی چھین لی جاتی ہے، کیونکہ جبلت صرف حیوانوں
اور بچوں ہی میں نہیں بلکہ بڑوں میں بھی موجود ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ
بڑے اس کو عقل کے پردے میں پوشیدہ کر دیتے ہیں اور اس کو پیچیدہ......
کر دیتے ہیں! اس طرح جبلت ولیم جیمس کے الفاظ میں "عمل کا وہ میلان
ہے جو کسی غایت کے حصول کے لئے ظاہر ہوتا ہے لیکن غایت کی پیش بینی
نہیں ہوتی اور نہ اس کا پہلے سے کوئی علم ہوتا ہے"!
بظاہر تم کو یہ معلوم ہوگا کہ صرف بچوں اور حیوانوں کا عمل ہی غایات کی
پیش بینی کے بغیر ظہور میں آتا ہے اور بڑے محض جبلت کی بنا پر عمل نہیں کرتے
عام طور پر یہ صحیح ہے کہ خالص جبلی عمل بچوں اور حیوانوں ہی میں نظر آتا ہے اور
بڑوں کے افعال کا تعین عقل، حافظہ اور عادت کی بنا پر ہوتا ہے تاہم جبلتیں
فنا نہیں ہو جاتیں! تم نے دیکھا ہوگا کہ بہت سارے بڑی عمر والے بھی گرج
کی آواز سے بچوں کی طرح ڈر جاتے ہیں اور کسی کونے میں چھپ جانے کی
کوشش کرتے ہیں، گو وہ یہ جانتے ہیں کہ گرج کوئی خوفناک چیز نہیں
اور اگر خوفناک ہو تو ان کا یہ منہ چھپانا ان کے لئے مفید نہیں ہوتا۔
لیکن ان کا یہ فعل بچوں کی طرح جبلی ہوتا ہے۔ یہ ایک خالص جبلی فعل کی
مثال ہے جس میں تجربہ یا عقل کی وجہ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی! لیکن
تم یہ جانتے ہی ہو کہ اکثر لوگوں کا رویہ ایسا نہیں ہوتا [illegible]

سکھلایا ہے کہ گرج کی آواز خوفناک نہیں اس لئے انہیں اس جبلی خوف پر قابو حاصل ہوگیا ہے اور وہ اس کو بھول چکے ہیں اور گرج کی آواز سنکر بجائے شدید خوف محسوس کرنے کے انہیں شاید کسی قدر ناگواری سے زیادہ اور کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اس مثال سے تمہیں یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ کس طرح تجربہ اور فعل سے جبلت میں ترمیم ہوسکتی ہے اور وہ ضبط یا قابو میں آسکتی ہے! اور یہیں سے یہ بات بھی تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے کہ کس طرح جبلتوں کے خام مواد سے سیرت کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔ دیکھو پہلے شخص نے اپنے طفلانہ جبلی خوف پر غلبہ حاصل کرنا نہیں سیکھا اور دوسرے نے تجربہ کی مدد سے عقل کی ہدایت سے اس پر تسلط حاصل کرلیا مختلف قسم کی شخصیتوں کا نشوونما بھی کچھ اسی طرح ہوتا ہے، لیکن ان سب کا کچا مواد جبلتیں ہی فراہم کرتی ہیں۔

شہوت جنسی بھی ایک بنیادی جبلت ہے

شہوت جنسی (Sex) بھی انہی جبلتوں میں سے ایک جبلت ہے۔ بھوک سے قطع نظر کرو تو یہ سب سے زیادہ بنیادی جبلت ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ کسی اور جبلت سے کم نہیں۔ انسانی زندگی کے بہت سارے مسائل کا دارومدار اسی زبردست جبلت پر ہے۔ اس کی مسرت کا بڑا حصہ بھی اسی پر موقوف ہے۔ روزمرہ زندگی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اچھی طرح ہونے کے باوجود سخت بدنصیبی کا مقام ہے کہ اس جبلت کو واضح طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس کی تربیت و اصلاح کی عاقلانہ اور حکیمانہ کوشش کی جاتی ہے!

یہ کوئی شرمناک یا ناپاک شے نہیں

سب سے پہلے تمہارے ذہن سے یہ

غلط فہمی رفع ہونی چاہیئے کہ یہ جبلت کوئی ناپاک قوت ہے۔ نیکی کی دشمن اور تقویٰ کی عدو ہے اس کا رخ ہمیشہ گناہ اور گندگی کی جانب ہوتا ہے اسی زندہ آگ کی وجہ سے انسان سے ہمیشہ وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو اسکو خدا کی نظر میں برا اور جماعت کی نگاہوں میں دھتکارا ہوا قرار دیتے ہیں

اس کی اہمیت

ایسا نہیں۔ یہ قوت بھی دوسری قوتوں اور جبلتوں کی طرح ایک فطری قوت ہے۔ بذاتہٖ پاک ہے، روحانیت کی منافی نہیں، مردانگی شجاعت، بلندی و برتری کا معیار، صبر و استقامت، سعی، نفس سے مقابلہ، ریاضت کی بنیاد اور شخصیت کو بلند ترین مقامات پر پہنچانے کا زبردست آلہ ہے، اسی جبلت کی وجہ سے ازدواجی مسرت کا حصول ممکن ہوتا ہے! بچوں کی پرورش اور تربیت اور خاندان کی تعمیر ممکن ہوتی ہے نئی زندگی کی تخلیق کی یہی جبلت ذمہ دار ہے۔ یہ نہ ہو تو زندگی نہ ہو۔ نسل منقطع ہو جائے اور دنیا کا یہ کاروبار اس کی یہ رونق باقی نہ رہے امیر کا یہ قول اسی جبلت کی اہمیت کا بیان مانا جا سکتا ہے۔

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں میرؔ ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا!

زندگی کے مختلف ادوار میں اس کا ظہور

اس جبلت کا عمل جوانی ہی میں نہیں شروع ہوتا، بلکہ بہت پہلے ہوتا ہے۔ دو سال کی عمر میں بچہ اپنے آلات جنسی سے واقف ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ انسے کھیلنے لگتا ہے لیکن بہت جلد وہ اس عادات کو ترک کر دیتا ہے تقریباً تین سال کی عمر میں بچے ایک خاص کیفیت کا اپنے اندر احساس کرتے ہیں۔ اپنے اردگرد کے لوگوں میں سے انہیں کسی ایک سے خاص محبت

ہو جاتی ہے۔ انکا یہ محبوب کوئی بڑی عمر کا آدمی ہو سکتا ہے جو ان سے قریبی
تعلق رکھتا ہے یا پھر انہی کی عمر کا یا انسے کچھ بڑا بچہ ہو سکتا ہے۔ انکے
اس اُنس میں وہی خصوصیات پائی جاتی ہیں جنہیں ہم جوان آدمی میں
محبت کی نشانیاں کہہ سکتے ہیں۔ محبوب سے لگے چمٹے رہنا، شرم و حیا
حسد و رشک، بہادری کے کام وغیرہ۔ لیکن بچہ کی عمر کا یہ ایک نہایت
مختصر دور ہوتا ہے اور چند ماہ کے بعد بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ جوانی
میں اس کا پھر ظہور ہوتا ہے! پانچویں سال کی عمر میں بچہ جنسی معاملات کے
متعلق سوال کرنا شروع کر دیتا ہے جیسے "بچے کہاں سے آتے ہیں"؟
لیکن ان سوالات میں عموماً کوئی جنسی جذبہ نہیں ہوتا، یہ محض تجسس کی جبلت
کے تحت کئے جاتے ہیں۔ یہی بات دوسرے دور کے متعلق صحیح ہوتی ہے
جس میں سوالات کی کثرت ہوتی ہے اور یہ تقریباً آٹھ برس کی عمر کا زمانہ
ہے۔ یہ وہ عمر ہے جس میں بچہ مضطربانہ انداز میں بہن کے متعلق سوال
کرتا ہے کہ یہ کہاں سے آئی یا کیسے بنی اور اسی سلسلہ میں یہ بھی پوچھتا
ہے کہ بچے کہاں سے آتے ہیں؟ اس کے ان سوالات کے جواب ہی سے
اس امر کا تعین ہوتا ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح پوچھتا رہے گا یا
سوال کرتے میں تکلیف محسوس کرے گا۔ بہت سارے بچے دس برس
کی عمر میں سوال کرنا ترک کر دیتے ہیں اور کچھ خاموش سے ہو جاتے ہیں اور
اس کا سبب ان کے والدین یا اساتذہ کی ناعاقبت اندیشی بے صبری
یا بے جا احتیاط ہوتی ہے!

زمانہ بلوغ کی اہمیت

جنسی جبلت کا عمل پختہ صورت میں بلوغ کے زمانہ سے
شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ الوالعزمی

جاں بازی کا زمانہ ہوتا ہے - اس میں جسم اور جان کی یکنگی عمل میں آتی ہے اور دور رس تغیرات رونما ہوتے ہیں نفسیاتی نقطۂ نظر سے نہایت اہم زمانہ ہے! چند نفسیاتی خصوصیات کا یہاں تذکرہ ضروری ہے -

اس زمانہ میں شعور جنسی پیدا ہوتا ہے بلوغ کا واقعہ ہی سب سے بڑا زبردست واقعہ ہے! انسانی زندگی کی ایک زبردست جبلت جاگتی ہے اور اپنا اظہار چاہتی ہے! وہ بالقوی تو شروع ہی سے ہوتی ہے اب بالفعل ہونا چاہتی ہے - نوجوان اس نئی قوت کا اپنے اندر احساس کرتا ہے - اس کی رگوں میں یہ خون کی طرح دوڑنے لگتی ہے -

اسی لئے یہ خطرناک زمانہ ہے - اگر نوجوان کا اپنے والدین پر کامل اعتماد نہ ہو تو پھر وہ اس کے متعلق معلومات ان سے حاصل نہ کرے گا - بلکہ اپنے سے زیادہ تجربہ کار لوگوں کی تلاش کرے گا - یہ جو کچھ بتائیں ضروری نہیں کہ صحیح ہو عموماً ان کی بتائی ہوئی چیزیں بے سروپا ہوتی ہیں! ان سے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ ایک شرمناک اور ناپاک قوت ہے - اس کا ذکر تک زبان پر لانا قطعاً ناجائز اور ناروا ہے اور اس طرح نوجوان اس جبلت کو ہمیشہ ایک شرمناک راز سمجھنے لگتا ہے!

امور جنسی سے نوجواں کا واقف کرایا جانا ضروری ہے

اسمیں شک نہیں کہ جوانی کے ابتدائی زمانے ہی میں آئندہ آنے والی جنسی زندگی کی بنیاد یا قائم ہوتی ہیں اور اس امر کا انحصار کہ آئندہ زندگی میں انسان کو جنسی مسترت حاصل ہو گی یا نہیں زیادہ تر اسی ابتدائی زمانہ کے حاصل کردہ معلومات اور رویّہ پر ہوتا ہے - اس لئے والدین کا یہ مقدس فریضہ ہے کہ اپنی اولاد کو امر جنسی سے نہایت عاقلانہ طور

حکیمانہ طریقہ پر واقف کرائیں۔ علماء نفسیات کا عام طور پر اس امر میں اتفاق ہے کہ جنسی معلومات پر مدرسہ میں باضابطہ تقریر کرنی کسی طرح مناسب نہیں ہوتی اس کا علم والدین ہی سے ملنا چاہئے اور اسی زمانہ سے تدریجی طور پر ملتے رہنا چاہئے جس زمانہ سے کہ بچے نے اس کے متعلق سوال کرنا شروع کر دیا تھا۔ بلوغ کی عمر کو پہنچنے تک یہ علم بچے کے لئے راز سربستہ نہیں رہنا چاہئے تاکہ اچانک اس کا افشا کر دیا جائے۔ اچانک اور تمام کا تمام علم ممکن ہے کہ نوجوان کے حساس قلب کو خوف زدہ اور پریشان کر دے!

بہرحال جنسی معلومات کا نوجوان کو علم ہونا ضروری ہے۔ کیا ہم کسی انجن چلانے والے کی آنکھیں بند کر کے اس کو انجن چلانے دے سکتے ہیں؟ انسان کا جسم بھی زندہ مشین ہے، اس کے تمام حرکات و افعال سے، اس کی تمام صلاحیتوں اور جبلتوں سے، تمام جذبات و میلانات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس واقفیت کے بغیر زندگی کی غایت کا حصول اور جسم کو اس غایت کے حصول میں استعمال کرنا ممکن نہیں۔ جنسی جبلت کے تمام اسرار کا علم اس جبلت کے تمام خطروں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کے لئے ضروری ہے اور عقلمند والدین اپنی اولاد کو اس علم سے محروم نہیں رکھ سکتے!

صحبت بد سے پرہیز ضروری ہے

اسی سلسلہ میں نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات بھی اچھی طرح اتارنی چاہئے کہ ان کی قوت رجولیت اور مادۂ منویہ ایک بیش بہا نعمت ہے، ان کی ذات کا جوہر ہے اس کا تحفظ ان کا مقدس فرض ہے۔ اسی کی وجہ سے انہیں قوت تخلیق حاصل ہوتی ہے! اس کا ضائع کرنا جسم کو کمزور کرنا ہے، کارکردگی کی قوت کو ضعیف و ناتوان کرنا ہے اور بالآخر مصائب کا شکار ہونا ہے!

فت و پاکبازی سے اس کی حفاظت ہو سکتی ہے اور بہادر، تندرست، قوی
دی کی نیکی ہے، جو اپنی جسمانی قوت، روحانی توانائی، پاکی، صحت، چستی، اور
تلیقی قوت کی قدر و قیمت سے واقف ہوتا ہے اور ان کے تحفظ کی پوری کوشش
تا ہے! وہ بری صحبت سے پرہیز کرتا ہے، ان لوگوں سے دور رہتا ہے جو اپنے
ل کی وجہ سے ان قوتوں کے تحفظ کی کوشش نہیں کرتے اور اپنے جسم کو
ح کی خدمت گزاری کے لئے اعلیٰ غایات کے حصول کے لیے استعمال
ں کرتے، اور زندگی کو محض لہو ولعب تصور کرتے ہیں کہ جس کو محض گزارنا
ہے۔ ع

رو کر گزار دے یا ہنس کر گزار دے!

وہ ایسے جاہلوں کی صحبت سے اسی طرح بھاگتا ہے جس طرح لوگ
پ سے ڈر کر بھاگتے ہیں۔ سانپ صرف جسمانی زندگی کو ختم کر دیتا ہے، برا دو
پ سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ وہ روح کش ہوتا ہے، اخلاق کو ناپاک کرتا ہے
کی طہارت کو غلاظت میں مبدّل کر دیتا ہے! عفت و پاکبازی کے تحفظ
لئے صحبتِ بد سے جدائی قطعاً ضروری ہے!

بیاموزمت کیمیائے سعادت
زہم صحبتِ بد جدائی جدائی! (حافظ)

یالات | نوجوانوں کو ان بیاہی زندگی کے زمانہ میں صحبتِ بد سے بچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ جسمانی صحت کے لئے غلیظ ہوا اور
پانی سے پرہیز لازمی ہے۔ صحبتِ بد کے علاوہ نوجوانوں کو چاہیئے کہ
یالات کو بھی پاکیزہ اور صاف رکھنے کی کوشش کریں، کیونکہ افعال کا
خیالات ہی سے ہوتا ہے، جیسے افکار اور خیالات ویسے ہی افعال و اعمال

اگر تم نے اپنے فکر کے میدان کو پاک و صاف رکھا، نیک خیالات کے بیج بوئے اس کی آبیاری کی، اس کی بد اور ناپاک خیالات کے حملوں سے حفاظت کی تو ان نیک یا ایجابی خیالات کو تمہارے قلب میں تغیر پیدا کرنے زیادہ دیر نہیں لگتی اور نتیجہ کے طور پر تمہیں عفت و پاکی، عصمت و پاکبازی، شادمانی و مسرت طمانیت و سرور کے گلہائے شاداب حاصل ہوتے ہیں۔

سفلی خیالات سے بچنے کا طریقہ

بُرے خیالات سے جنہیں نفسیاتی اصطلاح میں "سفلی" خیالات کہا جاتا ہے بچنے کا ایک عمدہ طریقہ ہم تمہیں سکھلاتے ہیں۔ انہیں دور کرنے کے لئے تمہیں ان سے جنگ نہ کرنا چاہئے، کیونکہ انکا زور پچھاڑ دینے والا ہوتا ہے۔ جب ہم ان سے مقابلہ کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے۔ آب حیات (یا چشمۂ حیات) کا بہاؤ توجہ کی طرف ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر ہم کسی شر یا برائی کی طرف توجہ کریں، اس کے مٹانے کی خاطر سہی، تو زندگی کی تمام توجہیں اس کی جانب رخ کرتی ہیں۔ اس طرح اس کی طاقت بڑا در اضافہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہمیں بے خوابی کا مرض ہے تو ہم اس کے متعلق فکر کریں گے اور اس کو دور کرنا چاہیں گے، بالفاظ دیگر اس کا مقابلہ کریں گے اسی قدر تکلیف زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر ہم اس کو بالکل بھول جائیں تو ہم میٹھی نیند سو جائیں گے۔ اسی طرح برائی کے مقابلہ سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور توجہ سے اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے! لہذا برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرنا چاہئے۔ ظلمت کا مقابلہ نور سے۔ ظلمت کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہئے! اگر تمہیں نفرت کو دور کرنا ہو تو محبت کا تصور کرو۔ خوف کو دور کرنا ہو تو بہادری اور دلیری پر نظر جاؤ۔ شہوت پرستی

ستی اور بدکاری کے خیالات کی بجائے پاکبازی عصمت و عفت پر توجہ کو مرکوز
رو' ان کا خیال کرتے رہو' ان ہی کی فکر میں رہو' تمہارا معروض فکر جو ہوگا رفتہ
رفتہ وہی تم بھی بن جاؤ گے! یہی معنی ہیں اس حکیمانہ قول کے :-

گر در دل تو گل گزرد گل باشی !
ور بلبل بیقرار بلبل باشی ! (جامی)

اس کو عارف رومی نے اس مختصر جملہ میں ادا کیا ہے - ع

تو جہانے بر خیالے ہیں رواں !

یعنی سارا جہاں خیال ہی پر عمل کر رہا ہے؛ خیال ہی پختہ ہو کر عمل کی
صورت اختیار کرتا ہے! اسی لئے عفت و پاکبازی کے لیے خیالات کی پاکی
نہایت ضروری ہے! جب تک قلب پاک نہ ہو جو خیالات کا مرکز ہے
فعال میں پاکی کا پیدا ہونا ناممکن ہے! خیالات کی پاکی کیلئے بُری صحبت اور بری
کتاب کے مطالعہ سے بھی پرہیز ضروری ہے - اسی طرح ایسے سینما اور تصویریں
جو شہوت کو اُبھارنے والی ہوں دیکھنے کے قابل نہیں - یہ تمہارے قلب
میں بُرے خیالات کے بیج بوتے ہیں' تمہارے سوئے ہوئے جذبات
و بیدار کرتے ہیں! کیا یہ عقلمندی کا فعل ہے کہ تم سوتے بھیڑیوں کو
جگا کر ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرو؟ انہیں سوتا چھوڑنا ہی بہتر ہے۔

ارتفاع جبلت

ان بیاہی زندگی میں اس تخلیقی جبلت کا طبعی طریقہ
سے اظہار ممکن نہیں' لیکن یہ اپنا اظہار چاہتی ضرور
ہے ہمیں اس واقعہ کو تسلیم کرنا چاہیئے' یہ نہ کہنا چاہیئے کہ ہم میں یہ فطری
جبلت موجود نہیں اور اس کے متعلق فکر کرنا گناہ ہے - بلکہ صاف طور پر
اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ خدا نے دوسروں کی طرح مجھے بھی اس

تخلیقی قوت سے سرفراز فرمایا ہے' اور جو خواہشات میرے سینہ میں موجزن ہیں وہ بالکل فطری ہیں لیکن موجودہ حالات میں میرے لئے ان کا اظہار اس طریقے سے کرنا ممکن نہیں جس طریقہ سے کہ شادی شدہ لوگ کرتے ہیں بلکہ کئی اور جائز طریقے اس کے اظہار کے موجود ہیں! کسی حقیقی فطری قوت کو کچلنے کی کوشش محض حماقت ہے' وہ کچلی جاتی نہیں' وہ غیر شعوری طریقہ سے کوئی اور راستہ نکال لیتی ہے۔ اس کا اعتراف کرنا اور ایسے مقاصد کے حصول میں اس کو لگا دینا جو فرد کی تشفی کا باعث ہوں اور جماعت کے لئے مفید اور کارآمد ہوں سب سے بہتر طریقہ ہے۔ اسی کو نفسیات کی اصطلاح میں "ارتفاع جبلت" (Sublimation) کہا جاتا ہے۔ اس طرح ہم باطنی جھگڑوں سے بچ جاتے ہیں اور ہمیں بہت سارے روحانی امراض سے نجات مل جاتی ہے! ہم اس جبلی قوت کو جو ہمارے قلب میں جوش زن ہیں مفید کاموں میں لگا دیتے ہیں' ان سے ہمارے جذبات کی تشفی بھی ہوتی ہے اور یہ سوسائٹی کے لئے مفید بھی ہوتے ہیں اور ان سے خود جبلت فنا ہونے نہیں پاتی۔ ہر شخص اپنے خاص حالات کے لحاظ سے ایسے مفید کاموں کو خود دریافت کر سکتا ہے' غایات کا خود تعین کر سکتا ہے اور ان کے حصول میں اپنی قوتوں کو لگا سکتا ہے اور اس طرح بغیر جبلت کو فنا کئے اس سے اعلیٰ طریقہ پر کام لے سکتا ہے۔ تخلیقی جبلت کو تخلیقی امور میں منہمک کر دینا چاہئے۔ فنون لطیفہ اس کا اچھا میدان فراہم کر سکتے' خوبصورت تصورات کی تخلیق' حسین اشیاء کی تخلیق میں جنسی جبلت کا ارتفاع ہو سکتا ہے!

خلاصہ

غرض عفت و پاکبازی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جنسی جبلت کو اچھی طرح سمجھیں، اس کو غیر فطری ناپاک، شرمناک شئی قرار نہ دیں۔ اس کے فطری اور خداداد ہونے کا اعتراف کریں، اس کی تخلیقی اہمیت کو مانیں، ازدواج کو اس کے فطری اظہار کا طریقہ قرار دیں۔ اور بلا غیر معمولی موانع کے اس میں تاخیر کو روا نہ رکھیں اور کنوارے زمانہ میں مفید کاموں میں اپنے کو منہمک کر کے اس کا "ارتفاع" کریں، اسی زمانہ میں پاکیزہ خیالات، نیک صحبت اور بلند مقاصد کے حصول کی سعی پاکباز زندگی بسر کرنے کے لئے لازمی اور لابدی ہیں۔

باب (۷)

رواداری

ع - بقدرِ دانش خود ہر کسے کند ادراک[24]

رواداری کا مفہوم

رواداری نتیجہ ہے کشادہ نظری اور فراخ دلی کا۔ جن افراد کے نفس کی تہذیب تعلیم و تربیت کی وجہ سے ہو جاتی ہے ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جب وہ اپنی رائے اپنے عقیدہ اور اپنے یقین کے خلاف کسی کی رائے یا عقیدہ یا یقین پاتے ہیں تو فوراً آپے سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ فراخدلی کے ساتھ ان مخالف آراء یا عقائد پر غور کرتے ہیں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیوی امور میں صداقت کا ٹھیکہ صرف ان ہی کو نہیں مل گیا ہے، بلکہ صداقت کی مختلف راہیں ہوتی ہیں، اس کے مختلف رخ ہوتے اور مختلف حیثیتیں اور ممکن ہے کہ ان کی نظر اس پہلو پر نہ پڑی ہو جس پر ان کے مخالف کی

پڑی ہے اور کامل صداقت کے حصول کے لئے ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنا ضروری ہے، جو کوئی آسان کام نہیں! صداقت اپنی اصل و حقیقت کے لحاظ سے واحد ہے لیکن اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوتا ہے، اس کے مظاہر بیشمار ہیں، ہر شخص کی نظر کسی ایک مظہر پر پڑتی ہے اور وہ غلطی سے اس کو کل صداقت سمجھ لیتا ہے! جو شخص اس حقیقت کا رازداں ہوتا ہے وہ لازمی طور پر روادار ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ صداقت کو پانے میں ہر شخص نے اپنی روشنی میں قدم اٹھایا ہے اور اس کی نظر نے وہی دیکھا ہے جو اس روشنی میں اس کو دکھایا گیا ہے! ع

بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک!

اب وہ اپنی رائے میں تشدد اختیار نہیں کرتا اور مخالف کی رائے کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خود کل صداقت کی تلاش میں واقعہ کے ہر رخ پر نظر ڈالنے کے لئے تیار رہتا ہے اور مختلف خیالات میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کثرت آراء میں اس وحدت کو پانے کی سعی کرتا ہے جو ان کے پردہ میں چھپی ہوئی ہے! ذہن کی اسی صفت کو "رواداری" کہتے ہیں اور اس خلقِ عظیم سے جو شخص متصف ہوتا ہے وہ روادار کہلاتا ہے!

رواداری بطور فرض و حق!

اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امر کا مطالبہ کرے کہ اس کے خیالات و افکار، عقائد و تیقنات، عادات و اطوار میں کوئی دوسری رکاوٹ پیدا کرنے والا نہ ہو اگر وہ انہیں پر قائم رہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس حق کا احترام ہم پر فرض ہے بشرطیکہ وہ شخص اپنے کردار سے

دوسروں کے جائز حقوق کو پامال نہ کرتا ہو۔ اس طرح "رواداری" ہمارا فرض بھی ہے اور "حق" بھی اور ہم اس حق کا مطالبہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں جب خود ہم اس فرض کو ادا کر رہے ہوں! بغیر ادائے فرض حقوق کا مطالبہ حماقت ہے اور ناقابلِ توجہ آداب ہم تھوڑی دیر کے لئے "رواداری" کی صفت کی نفسیاتی تحلیل کریں اور اس کے اجزائے ذہنی کو پیشِ نظر رکھ کر ان پر روشنی ڈالیں اور ان کی خوبیوں سے واقف ہو جائیں۔

روادار شخص کا طریقِ عمل

روادار شخص اپنے مخالف کے خیالات کو ٹھنڈے دل سے سنتا ہے، ان پر غور و فکر کرتا ہے، ان میں صداقت کے عنصر کا پتہ لگانے کی کوشش کرتا ہے، جوش و غضب کا اظہار نہیں کرتا سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے مخالف کو موقع دیتا ہے کہ وہ خیالات کا اظہار کرے! جانتے ہو کہ اس کا یہ عمل نفسیاتی نقطۂ نظر سے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کے لئے کس قدر موثر ہے؟

مخالف کی باتوں کو دلچسپی سے سننا

تمام علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کی گفتگو کو دلچسپی اور انہماک کے ساتھ سننا اس کی غیر معمولی تعریف کرنا ہے! خدائے تعالیٰ نے جن لوگوں کو کشادہ دلی عطا کی ہے اور مدارج بلند کئے ہیں اور رواداری کی صفت سے آراستہ کیا ہے وہ ہمیشہ اپنے موافق و مخالف کی باتوں کو دلچسپی اور شوق سے سنتے ہیں۔ "سننے" کو انہوں نے ایک "فنِ لطیف" بنا دیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ سننا محض خاموش رہنا نہیں۔ وہ نہ صرف لوگوں کی گفتگو میں حقیقی طور پر دلچسپی لیتے ہیں بلکہ وہ اس کے اظہار کی بھی تکلیف گوارا کرتے ہیں یعنی متکلم یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کی گفتگو کو شوق و ذوق

سنا جارہا ہے۔ اس طرح سے وہ اپنا رفعت اور بلندی کا احساس کرتا ہے اور نتیجہ کے طور پر وہ کشادہ دلی اور مسرت محسوس کرتا ہے اور سننے والے کی طرف میلان اور انس عجیب سی بات ہے لیکن اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر رواداری کی وجہ سے ہم مخالف کی گفتگو دلچسپی اور شوق سے سُن لیں اور اس کو پوری طرح اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کا موقع دیں تو اسی عمل کی وجہ سے ہم اس کی مخالفت کو بڑی حد تک کم کرسکتے ہیں۔ اور وہ یہ محسوس کرکے کہ اس کا ہماری نگاہوں میں احترام ہے نہ صرف ہم سے اختلاف میں شدت کا استعمال نہ کریگا بلکہ خود ہمارے متعلق اس کا خیال اچھا ہوجائے گا اور وہ ہم کو اپنا دوست سمجھنے لگیگا۔

غصہ پر قابو جو شخص رواداری کی صفت سے آراستہ ہوتا ہے وہ اپنے مخالف کے غصہ ہونے پر خود بھی طیش میں نہیں آتا۔ وہ ایسے ہی وقت کو سکون وسکوت کا خاص وقت سمجھتا ہے! خوب سمجھ لو کہ غصہ کا جواب غصہ سے دینا سخت نادانی ہے۔ کسی معاملہ میں جب کوئی شخص غصہ سے بھڑک اٹھتا ہے تو عموماً وہ اپنے معاملہ کو قطعی طور پر کمزور کردیتا ہے اور اپنے مخالف کے معاملہ کو یقیناً قوی! کسی موقع پر اگر تم کو غصہ آنے لگے تو سوچو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر غصہ کے اظہار سے تمھارے معاملات کو ضرر پہنچتا ہے تو ایسے غصہ کو بہر قیمت ضبط کرنا ضروری ہے۔ غصہ ہونا اکثر اس امر کا اعتراف کرنا ہے کہ تم غلطی پر ہو! اگر تم غصہ کا جواب حلم و نرمی سے دوگے تو تمھارا مخالف خود بھی نرم پڑجائے گا۔ ع

نبُرّد قزِ نرم را تیغ تیز[لہ]

لہ۔ سعدی۔

نرمی اور حلم سے کام لو! سوچو اگر تمہاری بات سچی ہے اور تمہارا معاملہ درست تو پھر غصہ کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر تم کہہ رہے ہو کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں اور تمہارا مخالف پانچ تو کیا تم دو اور دو چار ثابت کرنے کے لئے جذبہ سے کام لو گے؟ انکار کرنے سے تمہارے مخالف کا مقصد ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں بھڑکا دے اور بھڑکنے کی حالت میں تم سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس کی وجہ سے بعد میں تمہیں پشیمان اور پریشان ہونا پڑے! اس کے جال میں گرفتار ہو جانا حماقت ہے! ایسے شخص سے بحث کرنا ممکن ہی نہیں جو تمہاری بے تکی باتوں کا جواب ہی نہ دے! غضب آلود مخالف کے غصہ اور بدگمانی کو دور کرنے کے لئے سکوت اور سکون سے زیادہ موثر کوئی ہتھیار نہیں!

در جنگ می کند لب خاموش کارِ تیغ
دادن جواب مردم ناداں چہ حاجت است (صائب)

مخالف کے ساتھ بھی ہمدردی کا اظہار

رواداری کا تقاضا ہے کہ تم اپنے حریف کی بات سکون کے ساتھ سنو۔ اس کی بات کتنی ہی احمقانہ کیوں نہ ہو اس کو مطمئن کرنے اور خاموش کرنے کے لئے یہ قطعی ضروری ہے کہ تم اس کی پوری بات سن لو۔ اور صاف طور پر یہ ظاہر کرو کہ تم اس کے نقطۂ نظر کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہو۔ گو اس کے ساتھ پوری طرح اتفاق کرنے سے قاصر ہو!۔

یاد رکھو کہ اکثر لوگ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب وہ کوئی رائے اختیار کر لیتے ہیں تو پھر اس کا ترک کرنا ان کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے۔ گویا ان کی عزت نفس کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اگر ہم یہ ثابت کرنے کی

کوشش کریں کہ ان کی رائے غیر صحیح ہے یا احمقانہ ہے تو ہماری یہ کوشش ہی ان کو اپنی رائے پر اصرار کرنے پر اور زیادہ آمادہ کر دیتی ہے! لیکن اگر ہم انہیں یہ بتلا دیں کہ ہم ان کی رائے کا احترام کرتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ انہوں نے کیوں اس رائے کو اختیار کیا ہے تو پھر ان کے لئے اپنے بلند اور محفوظ مقام سے نیچے اترآنا اور ہمارے خیال کے ساتھ اتفاق کرنا کسی قدر آسان ہو جاتا ہے، ورنہ ان کی ضد کا کوئی علاج ممکن نہیں! ان کا حال تو کچھ میر کا سا ہوتا ہے جو اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے۔

اپنے مزاج میں بھی ہے میر ضد نہایت
پھر مر کے ہی اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم جو اڑ کر

رواداری شخص ہی اعتراضات کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ جانتا ہے کیونکہ رواداری ہی یہ صحیح طریقہ ہے! سکون اور سکوت کی صلاحیت کی وجہ سے وہ اپنے مخالف کے اعتراض پر بھڑک نہیں اٹھتا۔ بلکہ نہایت فراخدلی کے ساتھ وہ خود اس اعتراض کو اور زیادہ قوی الفاظ میں پیش کرتا ہے! اس چال سے وہ نہ صرف دوسرے کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے بلکہ اس کے مورچہ کو بھی کمزور کر دیتا ہے اور سامان جنگ کو اڑا لیجاتا ہے اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں ہم کو سوچنے کا موقع بھی مل جاتا ہے کہ ہم اس اعتراض کا جواب کیا دیں؟

اعتراض کو سمجھ کر دا اس کو پیش کر دو

یاد رکھو کہ اعتراض کا جواب دینے کے پہلے عقلمندی کا شیوہ یہ ہے کہ اس کو باہر کھینچ کر نکال لے آنا چاہئے اور اس کو اچھی طرح سن لینا چاہئے۔ امریکہ کے ایک مشہور روباری شخص کا تجربہ ہے کہ کسی معاملہ میں جب اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے

یا نزاع ہوتی ہے تو جانبین کی سب سے زیادہ خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ ہمدردی سے مراد یہ نہیں کہ کسی شخص کے حق پر ہونیکا اعتراف کر لیا جائے بلکہ اس میں اس قدر احساس پیدا کر دینا کافی ہے کہ تم سمجھ سکتے ہو کہ اس نے یہ رائے کیوں اختیار کی ہے۔ جانبین کی ہمت افزائی کرنی چاہئے تاکہ وہ کوئی بات پیٹ میں نہ رکھیں! ان کو نہایت توجہ سے سن لینا چاہئے اور یہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ تم ان کے نقطہ نظر کو سمجھتے ہو اور اس کا احترام کرتے ہو!

رواداری کا تقاضا نہ صرف یہ ہے کہ مخالف کی بات پوری توجہ سے سُن لی جائے اور اس کے نقطہ نظر سے ہمدردی کا اظہار کیا جائے بلکہ اکثر حالات میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس سے بھی آگے قدم بڑھائیں۔ بہت سارے اعتراضات کو رفع کرنے اور مخالفتوں کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم مخالف کی کچھ بات مان لیں۔

مخالف کی بات جہاں تک مانی جا سکتی ہے مان لو!

مخالفتوں کو دور کرنے کے لئے روادار تیز فہم لوگ مخالف کی بات جہاں تک ممکن ہو تسلیم کر لیتے ہیں! ہر نکتہ کے متعلق جو زیر بحث ہوتا ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ کیا اصل مطلب کو ہاتھ سے دئیے کے بغیر اس کو تسلیم کر لیا جا سکتا ہے؟ اکثر دفعہ یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہمارا مخالف نہایت ضروری سمجھ رہا ہے اس کی ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ان حالات میں مخالف کی بات کو پوری طرح مان لینا اس کی رائے کا احترام کرتا ہے اس کی خود رائی کو برتر و بہتر قرار دیتا ہے! اور نتیجہ کے طور پر اس کی مخالفت کو توڑ دیتا اور اپنا کام نکالتا ہے۔ لائیڈ جارج جو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں انگلستان کا وزیر اعظم تھا، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے معاملہ کو اس وقت بھی

جیت لیا کرتا تھا جب ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ اب یہ قطعاً ہار گیا۔ وہ جانتا تھا کہ تفصیلات کو قربان کر کے اصول کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے!

روادار شخص جانتا ہے کہ چھوٹی چیزوں میں مخالف کے ساتھ اتفاق کر لینا بڑی چیزوں میں کامیاب ہوتا ہے اس کو انگریزی میں (Law of Minor Cmcession) کہا گیا ہے! اس قانون کو اچھی طرح یاد رکھو اور اسکو موقع پر استعمال کرو تمھارے سکون قلب اور کامیابی کے لئے یہ بہت مفید ہوگا!

رواداری کے سلسلہ میں آخری اہم نکتہ تمھیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بحث و مباحثہ رواداری نہیں! بحث و مباحثہ تو ایک قسم کا مقابلہ ہے اور مقابلہ میں ہار جانا کون چاہتا ہے؟ ہر شخص کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ کامیابی کا سہرا اسی کے سر رہے!

دوسرے کو اپنی غلطی تسلیم کرنے پر مجبور کرنے سے بہت کام بنتے ہیں[1] قاعدہ کلیہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ناتجربہ کار لڑکے یا سیرت و ذہانت کے لحاظ سے چھوٹی حیثیت کے لوگ ہی اس احمقانہ طریقہ کو استعمال کرتے ہیں! پختہ کار اور بلند خیال لوگ اپنے خیالات کو انکسار اور سادگی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، دوسروں کی رائے اور خیال کا لحاظ کرتے ہیں اور اس طرح اپنے معاملہ میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

فرانکلن کا تجربہ اور اسکی نصیحت

بنجامن فرانکلن نے (۱۷۰۶ء تا ۱۷۹۰ء) جس کے زیر اثر ہزاروں لوگ رہے ہیں، اپنے بچپن ہی میں یہ سبق سیکھا تھا! بہت سارے تیز فہم نوجوانوں کی طرح وہ بھی دعوے اور تحکم کے انداز میں بحث کرنے اور اپنی رائے کو پیش

[1] "بے ضرورت رعایت" "مخرات امور سے قطع نظر"

کرنے کا عادی تھا اور اپنے اس طریقہ پر اس کو فخر بھی تھا۔ ایک روز ایک بڈھے نے اس کی آنکھیں کھولیں۔ بڈھے نے کہا کہ میاں تمھاری رائیں ہر اس شخص کے لئے جو تم سے اختلاف کرتا ہے ایک طمانچہ ہوتی ہیں! اب کسی کو ان کے سننے کی تاب باقی نہیں! تمھارے دوستوں کا وہی وقت چین و راحت سے گزرتا ہے جب تم ان میں نہیں ہوتے!"

فرانکلن یہ سنکر بیہوش سا ہو گیا! لیکن پھر اٹھا اور سوچ کر جو تدبیر اختیار کی اس کو خود اس کی زبان سے سنو۔ "میں نے یہ عادت ڈالی کہ اپنا مطلب انکسار کے ساتھ سیدھے سادے الفاظ میں ادا کروں۔ جب مجھے کوئی ایسی چیز پیش کرنی ہوتی جس کے متعلق اختلاف آرا کی گنجائش نکل سکتی تو کبھی یقیناً، قطعاً یا بلاشبہ جیسے الفاظ جن میں دعویٰ اور تحکم کی بو آتی ہے استعمال نہیں کرتا بلکہ ان الفاظ سے کام نکالتا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے" میرا یہ خیال ہے" اگر میں غلطی پر نہیں تو بات یہ ہے؟

"میں نے دیکھا کہ یہ عادت مجھے اپنی رائے کو منوانے اور لوگوں کو ان تدابیر کے اختیار کرنے پر مائل کرنے میں بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ جو میرے مقاصد میں داخل تھیں۔ اپنی رائے کو انکسار کے ساتھ پیش کرنے کی وجہ سے میں نے زیادہ حامی پیدا کر لئے اور اختلافات کو بڑی حد تک کم کر دیا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے (اپنی سیرت کی راست بازی و دیانت داری کے بعد) میرا خیال ہے کہ ہم وطنوں میں میرا اتنا اثر و رسوخ تھا...... کیونکہ میں کوئی اچھا مقرر نہیں تھا، فصاحت و بلاغت مجھے آتی نہیں تھی، الفاظ کے انتخاب میں بہت پس و پیش کیا کرتا تھا، زبان کی [illegible] بھی مشکل سے حاصل تھی۔ تاہم میں اپنی بات عام طور پر منوا ہی لیتا تھا"

فرانکلن رواداری کی ساری تفصیلات اور بنیادی اصول سے واقف تھا، تجربہ نے اس کو یہ تعلیم دی تھی اور اس نے اس کا نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ اسی طریقہ پر چل کر اس نے زندگی میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ سکون و اطمینان کی زندگی گزاری، تلخیوں کے گھونٹ کم نوش کئے اور بالآخر ۱۷۷۶ء میں امریکہ کو آزاد کروانے میں بڑا حصہ لیا۔ تمہیں اس سے رواداری کے اصول سیکھنا چاہئے۔

طالب حکمت شو از مرد حکیم
تا از و گردی تو بنیاد علیم[۲۶]
(رومی)

رواداری کی ابتدا گھر سے

رواداری کے حصول کے طریقے اوپر کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کئے گئے ان کو اچھی طرح سمجھ کر زندگی کے ہر قدم پر تمہیں ان کو استعمال کرنا چاہئے۔ سب سے پہلے گھر وہ مقام ہے جہاں رواداری کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اس کی ابتدا بھی یہیں سے ہونی چاہئے۔ گھر ہی میں انسان راحت و سکون کی تلاش کرتا اور پاتا ہے۔ اگر گھر ہی سے چین اور شانتی اٹھ جائے تو پھر اس کو انسان کہاں تلاش کرتے جائے؟ گھر کی فضا کو سکون وامن سے پُر کرنے کے لئے آپس میں انس و محبت، رواداری اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر افراد خاندان رواداری کو ملحوظ نہ رکھیں، خود رائی اور ضد سے کام لیں، دوسروں کے نقصان اور خسارہ کی پرواہ نہ کریں۔ اور اپنے ہی نفع و ضرر کا خیال رکھیں تو گھر "جائے امن" "جائے مدفن" "بن جاتا ہے اور ہمارا وہی حال ہو جاتا ہے جس کو میر نے بیان کیا تھا۔

ہم بھی پھرتے ہیں اک حشم لیکر
لوشنۂ داغ و فوج غم لے کر!

گھر میں رواداری کے معنی یہ ہیں کہ افرادِ خاندان کو اختلافِ رائے اور اختلافِ عمل کی اس حد تک اجازت دینی چاہئے جس حد تک کہ ان کے اس عمل سے دوسرے افراد کے حقوق پائمال نہ ہوں! باوجود ان کے اس اختلاف کے ہمیں ان سے ہمدردی ہونی چاہئے، ان کی شخصیت کے اظہار کے طریقوں کو بشرطیکہ وہ دوسروں کے لئے مضرت رساں نہ ہوں روا رکھنا چاہئے انہیں تنگ دلی اور کوتاہ نظری سے کچل دینے کی کوشش نہ کرنی چاہئے ان کو اپنے خیالات کا موقع دینا چاہئے، سکون و سکوت کے ساتھ ان کو سن لینا چاہئے اور اپنی ہمدردی کا اظہار کرنا چاہئے گو ان کے ساتھ بالکلیہ اتفاق ضروری نہیں! اس طرح ہم نئی اور پُر قوت شخصیتوں کو اُبھرنے اور میدانِ عمل میں آکر اپنی قابلیتوں کو ظاہر کرنے کا موقع دیتے ہیں اور حق کی "فعلیتِ تخلیقی" کے ساتھ تعاون کرنے لگتے ہیں!

معاشرہ | گھر میں رواداری کی مشق ہو جائے تو پھر اس کا استعمال گھر سے باہر سوسائٹی میں آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں تم کو ہر قدم پر ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے گا جو تمہارے خیالات، تیقنات، اور عادات سے بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر بنیادی طور پر تمہارے نقطۂ نگاہ سے مختلف ہوتا ہے! کائنات ایک کثرت ہے، اس میں جس طرح صورتوں کا اختلاف ہے اسی طرح خیالات اور تصورات کا بھی عظیم الشان اختلاف پایا جاتا ہے اور کثرت نام ہے اسی نت نئے انوکھے پن کا، اسی اختلاف اور رنگا رنگی کا! رواداری ہی کی وجہ سے تمہاری نگاہ میں وسعت، قلب میں گنجائش، اور علم میں فراخی پیدا ہوگی پابندی جا کر آزادی رونما ہوگی۔ اور رواداری ہی کی وجہ سے تمہارے قلب میں سکون اور راحت کا جلوہ ہوگا،

انتشار، اضطراب، یا کڑھن رفع ہوگی! رواداری ہی کی وجہ سے تم لوگوں کے جور و جفا کو برداشت کرنے کے قابل بن سکو گے، ان کے خیال اور کردار کی ہر آن تبدیلی کو سہار سکو گے اور لطف لے کر کہہ سکو گے۔

آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے
میں تو اس کی ہر آن کے صدقے
(سوز)

رواداری نہ ہو تو زندگی ضیق میں گزرتی ہے!

تم میں رواداری کی صفت نہ ہو تو تمہیں دوسروں کے اختلاف سے سخت صدمہ ہوتا ہے، کڑھن ہوتی ہے، سینہ تنگ ہوتا ہے اور تم اُن سے الجھنے لگتے ہو، تمہارا سکون قلب ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے اور تم اس بلا کے حساس ہو جاتے ہو کہ کسی کا تم سے بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے! یہ علامت ہے رواداری کی موت کی، قلب کی تنگی اور سختی کی! اس کے بعد زندگی تمہارے لئے عذاب ہے اور تم زندگی کے لئے وبال! اب تم معاشری زندگی کے قابل نہیں رہے۔ تمہیں جنگل میں پناہ لینی چاہیے۔

مجنوں صفت ہمیشہ میں صحرا نورد ہوں!
وحشت زدوں کو مسکن و کاشانہ کیا ضرور
(شہید)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رواداری نہ صرف راحت و سکون قلب کے لئے ضروری ہے بلکہ معاشرت میں امن و چین کے لئے بھی اتنی ہی لازمی ہے جب تک سوسائٹی کے افراد میں باہمی اختلافات کے باوجود آپس میں اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرنے کی قابلیت نہ ہو اس وقت تک ملک کے کسی میدان میں وہ ترقی نہیں کر سکتے اور ان کا

وقت، اور ان کی توانائی باہمی لڑائی جھگڑے کے نذر ہو جاتی ہے۔ تعمیری کاموں میں صرف ہونے کی بجائے فتنہ و فساد میں خرچ ہوتی ہے!
جس معاشرہ کے جسد میں رواداری کی روح کارفرما نہیں اس کے افراد بقول حزیں ۔ ؎

بصورت ہمہ آدمی پیکر اند
بسیرت بسی کم ز گاؤ و خر اند[۲۴]

باب (۸)

عدالت

تیمارم زخود ہمسرگر دلے!
کہ پندارم دراو جائے تو باشد[۲۸]

عدالت کی ماہیت

ارسطو نے عدالت کے جمال و کمال کی توصیف میں کہا تھا کہ "نہ شام کا اور نہ ہی صبح کا ستارہ اس قدر حسین اور دل نواز ہو سکتا ہے!" یہ نیکی جس کے حُسن کو ارسطو نے اس قدر سراہا ہے آخر کیا ہے؟ پروفیسر پاولسن نے عدالت کی تعریف اس طرح کی ہے[۱]: "اخلاقی عادت کے اعتبار سے عدالت ارادہ کا وہ میلان اور

---

[۱] نظام اخلاقیات صفحہ ۵۲۹

عمل کی وہ صورت ہے جو دوسروں کی زندگی اور ان کے مفادات کو جہاں تک ممکن ہو سکے خود بھی ضرر پہنچانے سے باز رہتی ہے اور دوسروں کو بھی باز رکھتی ہے۔" خود ان مفادات پر غور کیا جائے تو ان کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) جسم اور جان

(۲) خاندان

(۳) ملک

(۴) عزت

(۵) آزادی

(۶) حیاتِ روحانی

قانون ان مختلف مفادات کی حفاظت کرتا ہے اور اس طرح مختلف "حقوق" پیدا ہوتے ہیں اور ہر حق کی حمایت اور حفاظت ایک حکم امتناعی سے کی جاتی ہے؛ تجھے قتل نہ کرنا چاہئیے، زنا نہ کرنا چاہئیے۔ چوری نہ کرنی چاہئیے۔ ہمسایہ کے خلاف جھوٹی شہادت نہ دینی چاہئیے، اس کی آزادی میں مداخلت نہ کرنی چاہئیے، اس کے دین و مذہب پر حملہ نہ کرنا چاہئیے! حقوق کی خلاف ورزی، دوسروں کے مفادات میں مداخلت، ظلم ہے، جو بے انصافی ہے، ظلم بالآخر ہمسایہ ہی پر ہوتا ہے، وہ اس عقیدہ کی پیداوار ہے کہ ہمسایہ کی زندگی اپنی زندگی کی طرح قیمتی نہیں، بذات خود مقصود نہیں، محض وسیلہ ہے۔ اس کے برخلاف عدالت کا مبدا یہ یقین ہے کہ ہر شخص کی زندگی مقصود بالذات ہے، ہمارے اغراض و مفادات کے حصول کا محض آلہ نہیں، وسیلہ نہیں بلکہ بذاتہ خود ایک غایت ہے جس کا احترام ضروری ہے!

اس لئے فریضۂ عدالت کا عام ضابطہ ان الفاظ میں ترتیب دیا جا سکتا ہے۔
"جہاں تک تم سے ممکن ہو سکے خود بھی ظلم و زیادتی نہ کرو اور دوسروں کو بھی اس کی اجازت نہ دو"۔ یا اجمالاً اس کو ان الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

"حق کا احترام کرو اور اس کی پاسبانی کرو"

اب اس اجمال کی کسی قدر تفصیل ضروری ہے۔

ظلم نہ کرو

(۱) فریضۂ عدالت کے عام ضابطہ کے پہلے حصہ پر غور کرو۔ "ظلم اور زیادتی سے باز رہو"۔ ع

اہل سعادت از پئے ایذا نمی شوند

اخلاق کا سب سے کم مطالبہ یہی ہے کہ کسی کو آزار نہ پہنچاؤ، کسی پر ظلم نہ کرو۔ فردوسی نے اس کو نہایت قوت و اثر کے ساتھ ادا کیا ہے:

میازار موری کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جان شیریں خوش است [۲۷]

عدالت کی فطری اساس

حقیر سے حقیر شئے چیونٹی بھی جان رکھتی ہے اور اس کے لئے اس کی جان سب سے زیادہ قیمتی شئے ہے

اہل سعادت اس کو کوئی اذیت نہیں پہنچاتے! لیکن فطرت انسانی پر ذرا غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس نیکی کا حصول کوئی آسان شئے نہیں، شاید یہ سب سے زیادہ مشکل ہو۔ انسان دوسرے حیوانات کی طرح فطرۃً اپنی ذات کی حفاظت چاہتا ہے! ہر مخلوق از روئے فطرت اس قاعدے پر عمل کرتی ہے کہ اس کی ذات مرکزِ کائنات ہے اور تمام چیزیں اس کے مقاصد کے حصول کا محض وسیلہ یا ذریعہ ہیں! جس طرح بیمار کو خواب میں ساری دنیا بیمار نظر آتی ہے اسی طرح ہر فرد دنیا پر اپنے ہی نقطۂ نظر کے اعتبار سے نظر ڈالتا ہے۔

اور اس کو اپنے ہی اغراض کی تکمیل کا آلہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو "جملہ اشیا
کا مدار" قرار دیتا ہے اور کائنات کو اپنا طفیلی۔ طفیل باست کو یقین۔
اس کا نمونہ ہے۔ حیوانات کو دیکھو ان کا عمل اسی اصول کا پابند نظر آتا ہے۔
ان کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ دوسروں کو
اپنے اغراض کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ حیوانات کے ساتھ ہمارا جو طرز
عمل ہے وہ بھی اسی اصول کی صراحت کرتا ہے۔ اس کے آخری نتیجہ کے
طور پر ہم حیوانات کو ذبح کر کے ہضم کر جاتے ہیں اور صاف اس امر کا اعلان
کرتے ہیں کہ ہماری ذات مقصود ہے اور باقی محض وسائل یا آلات۔

بچوں کو دیکھو ان کے عمل کو بالکل اسی اصول کے مطابق پاؤ گے
بچہ بھی اپنی زندگی کی ابتدا میں فطرتاً بے پروا ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے
جذبات اور مفادات کا کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنی ہی ذات کا خیال
کرتا ہے اور اسی کا لحاظ رکھتا ہے۔ وہی کرتا ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔
اور نہیں غور کرتا کہ اس کے عمل کے اثرات دوسروں پر کیا پڑ رہے ہیں۔ رفتہ
رفتہ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افعال کا اثر نہ صرف اس ہی کی ذات پر
ہوتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی۔ دوسروں کا ردِ عمل اس کی توجہ کو اس واقعہ کی
طرف منعطف کرتا ہے۔ وہ کسی دوسرے بچے کے کھلونے کو چھین لیتا ہے
بچہ غضب ناک ہو کر اس پر حملہ کر دیتا ہے اور اپنی محبوب شے کو واپس لینے کی
سعی کرتا ہے۔ پہلے بچے کو حیرت ہوتی ہے کہ آخر یہ کیا ہو گیا ہے؟ رفتہ رفتہ
اسی قسم کے چند حادثات کے بعد اس حیرت کے معنی اس کی سمجھ میں آنے
لگتے ہیں۔ اس کے اساتذہ بھی اس کی اس معاملہ میں مدد کرتے ہیں۔ وہ اس طرح
بتدریج بچہ خود کو اس امر پر غور کرنے کی عادت ہوتی ہے کہ اس کا ہر فعل اثر کے

لحاظ سے اسی کی ذات کی حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں کے مفاد
کو بھی متاثر کرتا ہے۔ جہاں اس قسم کا تجربہ حاصل نہیں ہوتا یا ناکافی ہوتا
ہے وہاں ہمیں ابتدائی خود غرضی اور جہالت کے آثار صاف طور پر دکھائی
دیتے ہیں جس خاندان میں اکلوتا لڑکا ہوتا ہے وہاں یہ خطرہ بھی لگا رہتا
ہے کہ وہ ساری عمر ضدی، بے پروا، ہٹ دھرم اور تکبر سے پُر رہے گا۔
اس کو انصاف کا وہ موثر سبق نصیب نہیں ہوتا۔ جو آپس میں بھائی بہن
ایک دوسرے کو سکھلاتے رہتے ہیں! یہ خطرہ ان "حقوق یافتہ افراد"
Privileged Persons کے معاملہ میں اور زیادہ ہوتا ہے جو ابتداء سے
اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور جن کی مخالفت
نہیں کی جاتی! یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں اور امیروں کے بچوں کو انصاف
کا سبق سیکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، پختہ عمر کو پہنچ کر بھی اپنے عمل سے
وہ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ عمر کے ابتدائی حصہ میں انہیں وہ تجربات حاصل
نہیں ہوئے جو انصاف کے بنیادی اصول سیکھنے کے لئے ضروری تھے!
ان کا دوسروں کے حقوق پر زبردستی قبضہ، ان کی بدمزاجی اور چڑچڑا پن
اگر ابتداء ہی میں اپنی سزا کو پہنچ جاتا تو انہیں اس کا اچھی طرح علم ہو جاتا کہ
ان کے ارادے سے بھی زیادہ قوی ارادہ موجود ہے اور انہیں سنبھل کر قدم
اٹھانا چاہیئے، چونکہ ابتداء میں ان کی مخالفت نہیں کی جاتی وہ اپنے ارادے
کے سوا دوسرے ارادے کے وجود کے قائل نہیں رہتے! دوسروں کے
درد دل سے وہی شخص واقف ہوتا ہے جو خود بھی درد و غم میں مبتلا ہوا ہو!
دیکھو اسی نفسیاتی حقیقت کو شہید نے گل و بلبل کے استعاروں میں
کس خوبی سے ادا کیا ہے :-

غنچے نے ہنس کے چٹکیوں میں بس اُڑا دیا
بلبل نے دردِ دل جو کہا روبروئے گل!

یا پھر مومن نے اسی اصول کو صاف سیدھے الفاظ میں ایک مثال کے ذریعہ سمجھا دیا۔

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شبِ غم کوئی کس طرح بسر کرتا ہے!

جن لوگوں کو زمانہ کی سزاؤں نے انصاف کا سبق نہ دیا ہو جنہوں نے اپنی تجویزوں کو ٹوٹتا نہ دیکھا ہو ارادوں کو فنا ہوتا نہ پایا ہو جنہوں نے بچپن ہی سے موافق حالات میں پرورش پائی ہو۔ اور جن کی ابتداء ہی سے ناز برداری کی گئی ہو وہ کسی درد سے کیسے ہمدردی کر سکتے ہیں' ان کے سامنے اپنی درد کی داستان سناتا وہی سوکھا سا جواب پاتا ہے جس کی جرأت نے اپنے مشہور شعر میں شکایت کی ہے۔

دردِ دل اس بت بیدرد سے کہتے تو کہے!
جا کے یہ رام کہانی تو سنا اور کہیں!

یا پھر وہ فلسفیانہ جواب سننا ہے جو مومن کو اس کے معشوق سے ملا تھا

کسی نے گر کہا مرتا ہے مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

کسی شخص کی منصف مزاجی کا صحیح معیار اس کے ان افعال سے حاصل ہوتا ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں ظہور میں آتے ہیں۔ فطری طور پر ہمارا میلان ان تمام افعال کو صحیح قرار دینے کا ہوتا ہے جو دشمن کے مقابلہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ دشمنوں کی تحقیر کی جا سکتی تذلیل کی جا سکتی ہے اور ان سے نفرت

کی جا سکتی ہے اور ان کو برا بھلا کہا جا سکتا ہے! آخر وہ دشمن ہی تو ہیں! منصف مزاج شخص یہاں حدِ اعتدال سے باہر قدم نہیں نکالتا، انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے اور اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ظلم و ستم کو روا رکھتا ہے۔

دوسروں کو ظلم کرنے سے روکو!

(۲) اب فریضۂ عدالت کے عام ضابطے کے دوسرے حصہ پر غور کرو جو ظلم کو روکتا ہے، وہ ظلم جو دوسروں پر کیا جاتا ہے اور وہ جو خود پر توڑا جاتا ہے! یہ سمجھنا آسان ہے۔ جب مجھ پر ظلم کیا جاتا ہے تو مجھے طیش آتا ہے، شعلۂ غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ جذبۂ انتقام بیدار ہوتا ہے، اسی طرح جب میں دیکھتا ہوں کہ کسی مظلوم پر ظلم و ستم ہو رہا ہے تو بھی میرے غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور مجھے اس کی حمایت کرنے اور ظالم سے بدلہ لینے اور اس کو سزا دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ انتقام کا یہی جذبہ "سزائے فوجداری" کی حقیقی بنیاد قرار پاتا ہے۔ جماعت اپنے ارکان کی جان و مال پر حملہ کرنے والے کو سزا دیتی ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔

عدالت کی تعریف

اس طرح عدالت "حق کے احترام اور اس کی پاسبانی اور حفاظت کا نام ہے"۔ یعنی نہ ہم کسی پر زیادتی کریں اور نہ کسی کو کرنے دیں۔ خود زیادتی اور جور نہ کرنا "تدیّن" ہے۔ اور دوسروں کو کرنے نہ دینا عام زبان میں "دادرسی" کہلاتا ہے۔

عدالت کی اہمیت

اعمالِ انسانی میں عدالت و انصاف کی اہمیت کا اندازہ کرنا ہو تو ظلم یا ناانصافی کے نتائج پر غور کرو۔

ظلم کا فوری نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ مظلوم کی عافیت خطرہ میں پڑجاتی ہے

اس کے نتیجہ کے طور پر لڑائی جھگڑے کا پیدا ہونا ضروری ہے مظلوم کوشش
کرتا ہے کہ اپنے نقصان کی تلافی کرے اور ظلم کا بدلہ لے۔ ظالم بھی اپنے بچاؤ
پر تیار ہو جاتا ہے، اس طرح لڑائی چھڑ جاتی ہے اور اس میں وہ لوگ بھی شریک
ہو جاتے ہیں جو ظالم سے یا مظلوم سے دوستی، ہمدردی یا دلچسپی رکھتے ہیں
ظلم کا دوسرا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف ان لوگوں میں جو اس سے متاثر
ہوئے ہیں بلکہ دیکھنے والوں میں بھی بدامنی اور عدم محفوظیت کا احساس
پیدا ہوتا ہے جس واقعہ کا ایک دفعہ وقوع ہوا ہے دوبارہ بھی ہو سکتا ہے
اور جو حادثہ ایک پر نازل ہوا ہے وہ دوسروں پر بھی نازل ہو سکتا ہے۔ ظلم و تشدد
کو کامیاب پا کر ہم سب اسی نتیجہ کو جبلی طور پر ذہن نشین کرنے پر مجبور ہوتے ہیں
لہذا ظلم سے امن و حفاظت کا دور ختم ہو جاتا ہے اور جنگ و پیکار اور
بے امنی کی بلا جماعت پر سوار ہو جاتی ہے۔ صائب نے اس راز کو کہ ایک پر ظلم کیا
سارے جہان کو درہم برہم کر سکتا ہے کسی اچھی تشبیہ کے ذریعہ ظاہر کیا ہے

تا نہ پنداری کہ موج این دریا بہم پیوستہ است
هر کہ برہم زد جہانی را کہ یک دل بشکند

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی کا دل توڑ کر انسان بے فکر نہیں بیٹھ سکتا۔
دیکھو جب تم شیشے کو توڑتے ہو تو اس کا ہر ذرہ خنجر بن جاتا ہے ؎

از شکست خاطر نازک دلاں ایمن مباش
شیشہ را چوں بشکنی ہر ذرۂ آں خنجر است

ظلم کی تباہ کاری اس طرح صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسے آدمی زندگی اور
عقل کو ناکارہ کر دیتا ہے۔ انسان کا عقل حیوان سے اور بہتر ہے انسان کی عقل
حیوانوں سے اسی لئے مختلف ہوتی ہے کہ اس میں ایک ربط اور تنظیم پائی جاتی ہے

حیوان حال ہی کے دامن سے وابستہ ہوتا ہے "حال مست" ہوتا ہے اور انسان آگے کا بھی اندازہ کرتا ہے، اس پر اپنے منصوبوں کی بنیاد قائم کرتا ہے اور ان منصوبوں کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اب اگر دوسرے اس کے ان منصوبوں میں ظالمانہ دخل دیں تو مستقبل کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ اور منظم عمل اور تمام منصوبے اور تجویزیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس خطرہ کے اندیشہ کی وجہ سے مصلحت اسی میں نظر آنے لگتی ہے کہ ہم بھی حال ہی سے دامن بستہ ہو جائیں اور حیوانوں کی طرح عمل کو حال ہی کے دائرہ میں محدود کر دیں! اس طرح ظلم اور بے انصافی حقیقی انسانی زندگی کی بنیادہی کو گرا دیتی ہے! یہی حال جنگ کا ہے۔ یہ بھی اس میں شریک ہونے والوں کے امن کو برباد کر دیتی ہے اور ان کی قوتوں کو انفرادی اور معاشری زندگی کے مسائل کے حل کرنے کے قابل نہیں رکھتی!

لہذا عدالت اچھی چیز ہے کیونکہ یہ ایک طرف تو سکون و اطمینان کو قائم کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کا میلان رکھتی ہے جو منظم یعنی انسانی عمل کی شرط مقدم ہے اور دوسری طرف امن و امان کو، جو معاشری زندگی کی اولین شرط ہے۔ ظلم بری چیز ہے کیونکہ یہ ارادہ کے میلانات اور عمل کی صورت دونوں حیثیتوں سے انسانی حیوۃ کی ان بنیادوں کو گرانے کا میلان رکھتی ہے۔

حق

جب عدالت "حق کے احترام اور حفاظت کا نام ہے" تو دو باتیں "حقوق" کے متعلق بھی تمہیں یاد رکھنی چاہئیں۔ مملکت STATE میں ان کا ایک خاص مرتبہ اور مقام ہوتا ہے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ مملکت قوم کی متحدہ قوت کا آئینہ ہوتی ہے۔ حق کو جب اس قوت کی حمایت حاصل

ہو جاتی ہے تو وہ دنیا میں اپنا لوہا منوا سکتا ہے۔ مملکت میں حق قانون کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس کے پیچھے مملکت کی ساری قوتیں ہوتی ہیں تاکہ وہ تمام مخالف افراد کی رکاوٹ کو دبا سکے۔ حق بغیر قوت کے عاجز ہے، اس کا احترام نہیں کیا جاتا، اس کی حفاظت نہیں ہو سکتی؛ ظلم کی قوتیں اس کو کچل کر رکھ دیتی ہیں۔ جب مملکت کے قانون کی صورت میں یہ مرتب ہوتا ہے اور حکومت کی قوت اس کی پیٹھ ٹھونکتی ہے تو پھر یہ ساری رکاوٹوں پر غالب آتا ہے۔ ظلم کا انسداد ہوتا ہے۔ جماعت کے افراد کو امن و امان نصیب ہوتا ہے اور وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اس طرح حقوق کے ایک نظام ہی کے ذریعہ عدالت و انصاف کا جماعت میں حق پیدا ہوتا ہے یہ حق گویا ظلم سے بچاؤ کی ایک صورت ہے۔ حفاظت سزا کے ذریعہ کی جاتی ہے ہر معاشرے یا جماعت کو حق حاصل ہے کہ اپنے افراد کے حقوق کی حفاظت سزا اور قوت کے ذریعہ کرے اور تمام افراد کو مجبور کرے کہ وہ حق کا احترام کریں۔ اور قانون کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ جو دیانت، راستی، اور انصاف پسندی کی زندگی ہو۔ جس کا لازمی نتیجہ سکون و اطمینان، امن و چین ہو، خود افراد کے لئے بھی اور جماعت کے واسطے بھی۔

سزا کیوں دی جاتی ہے

سزا کیوں دی جاتی ہے؟ اصل وجہ تو یہ ہے کہ جب فرد مملکت کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے یعنی ان احکام کی پابندی نہیں کرتا جو حقوق کے تحفظ اور فرائض کی ادائی کے لئے

نظریہ مکافات

وضع کئے گئے ہیں تو وہ سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے حقوق و فرائض زندگی کی غایت و مقصد کے حصول کے ذرائع ہیں۔ غایت بغیر ذرائع و اسباب کے قابل حصول نہیں ہوتی۔ جب فرد

مملکت کے قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ زندگی کی اس غایت کے حصول میں مانع ہوتا ہے جو خود اس کے لئے اور مملکت کے لئے بڑی نیکی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اس کا یہ فعل دوسروں کے اور مملکت کے اور خود اس کی فلاح و بہبود کے خلاف ہوتا ہے۔ اب مملکت کا یہ فرض ہے کہ خاطی کو سزا دے تاکہ قانون کی عظمت و شان باقی رہے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نفی ممکن نہیں اور خلاف ورزی کے باوجود وہ اپنی برتری اور اقتدار کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ سزا کا یہاں نفسیاتی محرک جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا غضب کا وہ جذبہ معلوم ہوتا ہے جو فطری طور پر ظالم یا خاطی کے خلاف پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا منشا ضروری نہیں کہ ذاتی بغض و عناد ہو۔ کیونکہ عدالت جو سزا دیتی ہے وہ محض بغض و عناد کے کسی جذبہ کے لئے لازمی نہیں ہوتی۔ فطری جذبۂ غضب ذاتی عناد سے مختلف شے ہے، یہ وہ جذبہ ہے جو حق و انصاف کے خلاف کسی جرم کے ارتکاب پر پیدا ہوتا ہے اور اسی جذبہ کے تحت مجرم کو سزا دینا اس سے انتقام لینا بالکل فطری امر ہے۔ سزا کے اس نظریہ کو مکافات کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی جماعت (سوسائٹی) مجرم کی سزادہی سے رک جائے تو وہ درحقیقت ایک طرح تناقض کی مرتکب ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک جماعت میں چوری کے خلاف قانون موجود ہے اور پھر بھی چور کو سزا نہیں دی جاتی حالانکہ وہ تاوان بھی نہیں ادا کر سکتا تو ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کے قوانین کی حیثیت نصیحت اور مشورے سے زیادہ نہ ہوگی، ان میں احکام کی قوت قطعاً نہ ہوگی یا پھر یہ ایسے احکام ہوں گے جن میں مستثنیات کی گنجائش ہے۔ کیونکہ قطعی احکام کے معنی تو یہ ہیں کہ یا آدمی ان کی خلاف ورزی سے باز رہے یا اگر خلاف ورزی کرے تو سزا کے ذریعہ سے ان احکام کی قوت اور ان کے اقتدار کو نمایاں

کہا جا سکے سزا کا اصلی مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقتدار کو قائم رکھا جائے اس کے وقار اور عظمت کو برقرار رکھا جائے۔ کسی صورت میں اس کی نفی نہ ہونے دی جائے۔

نظریۂ منع

اگر مکافات کے نظریہ کی اس طرح توجیہ کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں سزا کے دوسرے نظریوں کے مقاصد بھی شامل ہیں۔ اقتدار قائم رکھنے کے لئے جو سزا دی جائے گی اس کے نتائج خارجی بھی ہوں گے اور باطنی بھی۔ خارجی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو دیکھ کر دوسرے ارتکاب جرم سے باز رہیں گے، سزا عبرت و منع کا کام دیگی (سزا کا نظریۂ منع) یہ مجرموں کے دلوں میں خوف پیدا کرے گی اور ان کو جرم کے ارتکاب سے روکیگی۔ گو خوف ایک قوی مانع ہے لیکن حقیقی مانع نہیں قرار دیا جا سکتا مجرمانہ زندگی کی ابتداء میں تو خوف ایک قوی مانع ثابت ہوتا ہے لیکن جب اس زندگی میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر خوف کا محرک بے اثر ہو جاتا ہے گو خوف سے شر کا میلان کچھ عرصہ کے لئے دب جاتا ہے لیکن دفع نہیں ہو جاتا۔ موقع پا کر پھر جاگ اٹھتا ہے۔ در اصل جرم سے آدمی اسی وقت توبہ کرتا ہے جبکہ اس کی سیرت ہی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

نظریۂ اصلاح

(سزا کا نظریۂ اصلاح) یہ سزا کا باطنی نتیجہ ہے کہ جب مجرم یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ سزا جرم کا قدرتی یا لازمی نتیجہ ہے، اس سے کسی طرح نجات ممکن نہیں، جب اس کو اس امر کا یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ مصیبت ہم کو پہنچتی ہے وہ ہمارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے، ہمارے ہی اعمال ہم پر لوٹائے جاتے ہیں، اس قانون سے بچنا ناممکن ہے تو پھر مجرم کو حقیقی ندامت ہوتی ہے اور وہ جرم سے باز رہتا ہے

اور رفتہ رفتہ اس کا قلب صاف اور نفس پاک ہو جاتا ہے! اس قانون مکافات کو عارف رومی نے قوت کے ساتھ یوں ظاہر کیا ہے :

بد ہی کنی و تپاکے طمع داری
ہم بد باشد سزائے بد کرداری
باآنکہ خداوند کریم است و رحیم
گندم ندہد بار چو جو می کاری

یعنی بد کرداری کی سزا قطعاً بُری ہوتی ہے، قانون الٰہی ہی یہ ہے کہ بدکار اپنے کیفر کردار کو پہنچے جس طرح آدمی جو بو کر گیہوں حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بُرے عمل کا نتیجہ درد و الم ہی ہوتا ہے، بدی اور الم، لازم و ملزوم ہیں، اسی قانون الٰہی کو اچھی طرح سمجھ جانے کے بعد انسان بدکاری سے رک جاتا ہے۔ اور اپنی سیرت کی اصلاح کر لیتا ہے۔ اس کا جب تک یقین نہ ہو وہ گناہ اور جرم سے باز نہیں رہتا! حصول لذت کا وہم اس کو باز رہنے نہیں دیتا!

ہر شخص کا یہ فریضہ ہے کہ حق کی حمایت میں اور ظلم و ناانصافی کے خلاف جنگ کرنے میں جماعت کا ساتھ دے کیونکہ اس میں صرف جماعت ہی کا بھلا نہیں بلکہ خود فرد کا بھلا ہے۔ اسی لیے مملکت فرد کا یہ فرض سمجھتی ہے کہ جہاں کہیں قانون کی خلاف ورزی ہو رہی ہو فرد اس کی روک تھام میں اپنی پوری کوشش صرف کرے۔ گواہ کی حیثیت سے، جوری کا رکن بن کر سپاہی بن کر یا عہدہ دار کی حیثیت سے! اور اگر کسی حق کی محافظت قانون کی رو سے نہ بھی ہو سکتی ہو تو وہاں بھی ہر شخص کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ حق کی حمایت کرے اور اپنی قوت و اثر کو کام میں لا کر ظلم و زیادتی کو جڑ پیڑ سے

اکھاڑنے کی کوشش کرے۔ بعض دفعہ یہ ممکن ہے کہ انسان حق و انصاف کا خون قانون کے حدود میں رہ کر بھی کر بیٹھے۔ قانون مملکت صرف ان ہی حقوق کی حمایت کرتا ہے جن کے بغیر معاشری زندگی کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ لیکن بہت سارے حقوق ایسے بھی رہ جاتے ہیں جس کی تائید سے قانون قاصر رہتا ہے۔ ان پر ایک اجمالی نظر ڈال لو۔ اس غرض کے لئے انہیں مفادات کو لو جن کی تقسیم اس باب کے صفحہ اوّل پر پیش کی گئی ہے۔

وہ حقوق جن کی تائید قانون نہیں کرتا لیکن اخلاقی نقطۂ نظر سے ان کی حمایت ضروری ہے

(۱) جسم و جان

(۱) جسم و جان: قتل، مار پیٹ، حیات اور صحت کے خلاف ہر حملہ قانوناً قابل سزا ہے۔ ان جرائم سے افراد کی حفاظت قانون کا اہم فریضہ ہے۔ قدیم نظامات قوانین میں ان کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا تھا لیکن لیکن اگر جسم و جان پر حملہ سے محض جسمانی حملہ مراد لی جائے تو بہت سارے ایسے جرائم رہ جاتے ہیں جنکے خلاف قانون میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔ مثلاً کسی کو بے وجہ دق کرنا، غصہ دلانا، رنجیدہ کرنا، دھوکا دینا وغیرہ۔ اسی واسطے انجیل مقدس میں کہا گیا ہے کہ "جو شخص اپنے بھائی سے نفرت کرتا ہے وہ قاتل ہے"۔

(۲) خاندان

خاندان جو دراصل پھیلی ہوئی انفرادی زندگی کا نام ہے: اس کے خلاف جرائم، زنا، بہکاوا، بچوں کا بدل لینا وغیرہ ہیں۔ قانون تعزیرات ان جرائم کی سزا دیتا ہے، لیکن خاندانی زندگی کے امن و سکون کو تباہ کرنے والا اور جرائم جیسے چغل خوری، سازش کرنا جس سے شوہر اپنی بیویوں سے اور والدین اپنی اولاد سے کشیدہ اور بیگانہ ہو جاتے ہیں، قانونی سزا کے دائرہ سے باہر رہ جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے

شکسپیر کا مشہور ڈرامہ جنھوں نے Othello پڑھا ہے انہیں اس جگہ ایاگو (Iago) کا خیال ذہن میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(۳) ملکیت — (۳) ملکیت درحقیقت تحفظ حیات اور افعال ارادی کے ظہور کے خارجی وسائل و اسباب کا نام ہے۔ اس کے خلاف جرائم جیسے ڈاکہ، چوری، رشوت، مجرمانہ فریب، جعل سازی، تغلب و خیانت، بہت بھاری سود، وغیرہ ہیں جن کی سزا قانون میں مقرر ہے لیکن ان کے علاوہ ہزاروں ایسے نازک اور باریک طریقے موجود ہیں جن کو استعمال کیا جاتا ہے اور ناجائز طریقہ سے ملکیت پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ قانون ان طریقوں کو استعمال کرنے والے مجرموں کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا

(۴) عزت — عزت پر حملہ توہین و تذلیل، جھوٹ و بہتان وغیرہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ ان صورتوں میں قانون کی تائید وہیں مل سکتی ہے جہاں معاملہ زیادہ باثبوت اور آشکارا ہوتا ہے! آدمی کی عزت و آبرو کو تباہ و برباد کرنے کے ہزاروں گمنام، ذیلی، ناقابل دریافت طریقے ہوتے ہیں جہاں قانون کی تائید حاصل کرنی قطعاً ممکن نہیں۔

(۵) آزادی — (۵) آزادی، دوسروں کی آزادی پر حملہ، بھگالے جانے، غیر قانونی طریقہ پر روک رکھنے یا خوف وغیرہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ عہد قدیم میں اس قسم کے جرائم سے حفاظت اس طرح کی جاتی تھی کہ ہر اس شخص کو جو اپنے ساتھی کو غلام بنا لیتا تھا سخت سزا دی جاتی تھی، اب غلامی کا طریقہ تو باقی نہیں رہا، تاہم عہد حاضر میں بھی غلامی کے مماثل بہت سی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ صحیح معنی میں آزادی اس شخص کو حاصل نہیں جس کی زندگی اور قوت دوسروں کے مقاصد کی تکمیل میں محض وسیلہ کے طور پر

استعمال کی جا رہی ہے۔ اسی لئے جو کوئی بھی اس طرح کسی انسان کی زندگی کو استعمال کرتا ہے، یا اس کو اس حالت تک پہنچا دیتا ہے، وہ حق و انصاف کے صریحاً خلاف راستہ اختیار کر رہا ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ جماعت میں ہر فرد کو کامل آزادی حاصل ہو تاکہ وہ اپنی زندگی کو اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول میں بسر کر سکے اور کسی دوسرے کے مقاصد کے حصول کا محض وسیلہ نہ بن جائے!

حیات روحانی

(۴) مفادِ انسانی کا آخری دائرہ جس کا چوتھے اور پانچویں دائرے سے قریبی تعلق ہے۔ حیات روحانی کا دائرہ ہے۔ اس سے مراد انسان کے عقائد، تیقنات، دین و مذہب، اخلاق وغیرہ ہیں جن میں اس کو کامل آزادی ملنی چاہئے۔ اس دائرہ میں مداخلت تعذیب (عذاب) الزام، تحقیر، تبدیل مذہب زبردستی اور نفرت کی وجہ ہوتی ہے۔ اس قسم کے ظلم و ناانصافی پر جو ذہنی حالت انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ نارواداری کہلاتی ہے۔ یہ نتیجہ ہے تنگ نظری اور کم نادہنی کا اور اس وہم کا کہ عقیدہ وہی سچا ہے جس کو خود اس نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور اس کے خلاف تمام عقائد غلط ہیں اور اصل اس کی نفسیاتی وجہ تو یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے عقیدہ اور یقین کو اسی وقت درست سمجھتے ہیں جب وہ جمہور کی رائے کی پیروی کر رہے ہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص بھی جمہور ہی کی تقلید کرے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ فسادی قرار دیا جاتا ہے اس لئے ہر وہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے جو اس کو جمہور ہی کی پیروی پر مجبور کرے اور دوسروں کو اس کی مثال پر چلنے سے روک دے! اس ذہنیت کے خلاف رواداری کا جذبہ ہوتا ہے جو نتیجہ ہے کشادہ نظری، فراخ دلی اور وسعت

خیالی کی تعلیم اور وسیع تجربہ اس ذہنیت کے پیدا کرنے میں بہت مفید ہوتے ہیں۔ ایسا جو اقوام یا جماعتیں یا مذہبی فرقے اپنی زندگی تنہائی اور علیحدگی میں بسر کرتے ہیں اور جن کو دوسروں کے خیالات و تیقنات و رسوم و عادات سے سابقہ نہیں پڑتا وہ عموماً اپنی تنگ نگاہی اور ناروا داری میں مشہور ہوتے ہیں۔

اس دائرہ میں تو قانون بالکل مجبور نظر آتا ہے۔ یہ ان ہی جرموں کی سزا دے سکتا ہے جو مذہب کی توہین کی صورتوں میں لائے جا سکتے ہیں جو اکثر نہیں ہوتا۔ ہزاروں صورتیں ایسی رہ جاتی ہیں جو سخت نقصان رساں ہوتی ہیں لیکن جو قانوناً قابلِ سزا نہیں ہوتیں۔ تاہم اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امر کا مطالبہ کرے کہ اس کے عقائد و تیقنات میں کوئی دوسرا روک ٹوک کرنے والا نہ ہو اگر وہ انہیں پر قائم رہنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس حق کا احترام جماعت کے ہر فرد پر فرض ہے بشرطیکہ وہ شخص اپنے قول و فعل سے دوسرے کے جائز حقوق کو پامال نہ کر رہا ہو۔

| خلاصہ |

غرض حق و انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر فرد جماعت میں آزادی اور امن کی زندگی بسر کرے، وہ اپنے جسم اور جان، خاندان، ملک و مال، عزت و آبرو، آزادی و حریتِ حیاتِ روحانی کے تحفظ کا حق رکھتا ہے۔ اخلاقاً و قانوناً اس کو یہ حق حاصل ہے، ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ ان حقوق کا احترام کرے۔ ان کی حفاظت و سلامتی کی کوشش کرے خود بھی آزاد، مطمئن و خوشحال رہے اور دوسروں کو بھی رہنے دے۔ عدالت کی ان مفادات کے بچاؤ اور قیام میں پوری مدد کرے اور اپنی ذات میں عدالت کی صفت کو پیدا کرنے کی کوشش کرے، نہ اپنے

حق سے زیادہ طلب کرے۔ اور نہ اپنے فرض کو ترک کرے، اور یہی نیشاپوری کی اس نصیحت کو یاد رکھے۔

ظالم کہ کباب از دل درویش خورد[۳۳]
چون درنگری زپہلوئے خویش خورد!
دنیا عسل است ہرکہ او بیش خورد!
خون افزاید تب آورد نیش خورد!

باب (۹)

اصلاح معاشری

رہا کن رہے کاں زباں آورد
زہ بر قلل در کماں آورد
(نظامی)

اخلاق کی ابتداء رسم ورواج سے

اخلاقیات کے لئے انگریزی زبان میں ایتھکس Ethics کا لفظ ہے یہ لفظ جس یونانی لفظ سے مشتق ہے اسکے اصلی معنی "رسم ورواج" اور خصوصاً ان رسم ورواج کے ہیں جو کسی گروہ کو دوسرے گروہ سے ممیز وممتاز کرتے ہیں۔ بعد میں چل کر اس لفظ نے سرشت وسیرت کے معنی اختیار کر لئے بعینہ یہی حال لاطینی لفظ ادل Moral کا ہے جس کے معنی اب اخلاق کے لئے جاتے ہیں یہ بھی Mores سے مشتق ہے اور اس کے معنی بھی عادات ورسوم کے ہیں۔

اس طرح اشتقاق پر نظر رکھی جائے تو ایتھکس (اخلاقیات) کی تعریف یہ کرنی پڑتی ہے کہ یہ "مختلف اقوام کے رسوم یا عادات کی تحقیق اور ان کے باہمی مقابلہ وموازنہ کا نام ہے"۔ اور اس کو "اجتماعیات" کی ایک شاخ قرار دینا پڑتا ہے سچ پوچھو تو بات بھی یہی ہے کہ رسم و رواج ہی سے اخلاق کی ابتدا ہوئی؛ کیونکہ رسم و رواج کی حیثیت زمانہ قدیم میں محض ایسے افعال کی نہ تھی جن کو آدمی صرف عادتاً کرلیا کرتا ہے بلکہ ان پر جماعت یا گروہ کی دانستہ پسندیدگی یا استحسان کی مہر لگی ہوتی تھی، ان رسوم کی خلاف ورزی سخت معیوب سمجھی جاتی تھی اور اس پر قبیلہ کی جانب سے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

رسم و رواج

جب اخلاق کی ابتداء کا رسم و رواج سے ہونا ثابت ہوگیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خود اپنی اصل کے اعتبار سے کیا ہیں؟ یہ ان قواعد و ضوابط کا نام ہیں جو انسان اپنے افعال و اعمال کی ہدایت و رہبری کے لئے مقرر کر لیتا ہے۔ جو قواعد و ضوابط خود انسان کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں، ان کا ماخذ عموماً تجربہ ہوتا ہے یعنی عمل کے وہ اصول جو تجربتہً مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں قبول کر لئے جاتے ہیں اور وراثتہً منتقل ہوتے جاتے ہیں، ان ہی کو صحیح معنی میں "رسم و رواج" کہا جاتا ہے۔

شریعت

وہ قواعد و احکام جو کسی نبی یا پیغمبر یا اوتار کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں جن سے انسان کی دینی اور دنیاوی بھلائی مقصود ہوتی ہے شریعت کہلاتے ہیں؛ ان کا ماخذ و مبدا محض انسانی علم و تجربہ نہیں ہوتا بلکہ یہ وحی و الہام کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور خطا و غلطی سے پاک ہوتے ہیں؛

قانون

اور جب یہ قواعد و ضوابط بادشاہ یا حاکم وقت کی جانب سے ہوتے ہیں اور ان سے مقصود محض

وسکون اور انتظام مملکت ہوتا ہے تو ان کو قانون کا نام دیا جاتا ہے۔ صحیح معنی میں رسم و رواج ہوں یا احکام شریعت، یا قوانین حکومت سبھوں کا مقصود انسان کی دنیوی اخلاقی و دینی بھلائی اور بہتری کے سوا کچھ نہیں ہوتا!

رسوم کے پیدا ہونے کے اسباب و علل

رسم و رواج مختلف اسباب کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں

(۱) ملک کی آب و ہوا بعض رسوم و عادات کی بناء ڈالتی ہے۔ ان کے صحیح اور درست ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فطرت خود ان کی تعلیم دیتی ہے صرف ان کے برتاؤ کا طریقہ غور طلب ہو سکتا ہے۔ مثلاً کشمیر میں یا لندن میں حد سے زیادہ سردی ہوتی ہے۔ آگ سے جسم کو گرم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح آگ کا استعمال ایک فطری عادت ہے۔ لندن والوں نے اپنے مکانات میں ہندسی قواعد کے مطابق آتش خانے بنا کر آگ کی گرمی سے فائدہ اٹھایا اور کشمیر والوں نے "کانگڑوں" میں آگ جلا کر گردن میں لٹکایا! ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ زیادہ سائنٹفک اور بہتر ہے اور دوسرا بھدا اور بے اصول۔

(۲) تمدن و معاشرت کی ضرورتیں بھی رسم و رواج کو پیدا کرتی ہیں اور جوں جوں تمدن و معاشرت میں ترقی ہوتی جاتی ہے ہماری رسمیں اور عادتوں میں تبدیلی نہ پیدا ہو تو یہ قوم کے غیر ترقی یافتہ ہونے کی علامت ہے۔

(۳) اکثر دفعہ دوسری قوم کی تقلید کی وجہ سے بہت سی رسمیں پیدا ہو جاتی ہیں جب ایک قوم کے افراد کا دوسری قوم کے افراد سے میل ملاپ ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی رسموں کو اختیار کرنے لگتے ہیں۔ فاتح قوم کی عادتیں اور رسمیں مفتوح قوم پر اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہیں اور یہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی تقلید کرنے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ اپنی انفرادیت کو بھی کھو بیٹھتی ہے۔

رسم ورواج کا نفسیاتی اثر

رسم ورواج کے پیدا ہونے کے اور مختلف اسباب بھی ہیں لیکن اسباب جو کچھ ہوں یہ ایک نفسیاتی واقعہ ہے کہ رسم ورواج کا اثر انسان کی طبیعت پر نہایت شدت سے ہوتا ہے، وہ اپنی جان ومال کا نقصان گوارا کرتا ہے لیکن رواج کے خلاف کرنا پسند نہیں کرتا وہ ایک خارجی جبر کا احساس کرتا ہے جو بعض دفعہ اس کی طبیعت کے خلاف بھی اسکو عمل پر مجبور کرتا ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبوں میں وہ باوجود اپنی مفلسی کے قرض دام لے کر محض رسم ورواج کی تشفی کے لئے خرچ کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ اس کے ساتھی اس کی تعریف کریں یا کم از کم نام نہ دھریں۔ ہندو عورتیں اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ آگ میں جل مرتی اور اُف تک نہیں کرتی تھیں۔ ایام جہالت میں عرب میں دختر کشی کی رسم تھی اور وہ اولاد جو انسان کو جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے رسم ورواج پر قربان کردی جاتی تھی۔ رسم ہی نے انہیں یہ بات ذہن نشین کی تھی کہ لڑکی کا وجود والدین کے لیے بے عزتی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا موجب۔ اس لئے اس کی موت ہی زندگی سے بہتر۔ باپ اپنے ہاتھوں اپنی لڑکی کی جان لیتا اور آہ تک نہیں کرتا تھا۔ آج بھی اکثر لوگ رسم ہی کے تحت اپنے جسم کو سوئی سے گودتے اور اس میں سرمہ بھر کر طرح طرح کے نقش ونگار بناتے ہیں۔ چینی عورتیں اپنے پاؤں کو شکنجوں میں کس کر اس قدر چھوٹا کردیتی ہیں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتی ہیں۔

رسم ورواج کا اثر مذہب کے اثر سے بھی زیادہ ہوتا ہے

رسم ورواج کا اثر عوام کے دلوں پر مملکت کے قوانین اور شرع کے احکام سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ قوانین مملکت کی پابندی زیادہ تر خوف کی وجہ سے

وجہ سے کی جاتی ہے کیونکہ ان کی خلاف ورزی سے سزا کا بھگتنا یقینی ہوتا ہے لیکن مذہب کا اثر جو قوانین مملکت کی بہ نسبت عموماً قلوب میں بہت زیادہ ہوتا ہے وہ بھی رسم و رواج کے آگے کمزور ہو جاتا ہے۔ اور ان احکام دین کی زیادہ پابندی کی جاتی ہے جن کا رسم و رواج بھی ساتھ دیں۔ مثال کے طور پر شراب و زنا کو لو۔ ہر مذہب نے ان کو ممنوع قرار دیا ہے۔ انگریزی تہذیب نے شراب نوشی کا رواج عام کر دیا۔ اب دعوت کی مجلسوں اور ڈنر کی میزوں پر عمدہ اور قیمتی شراب رکھی جاتی ہے اور عام طور پر پی جاتی ہے۔ کوئی نہ اس کے پینے سے شرماتا ہے اور نہ تکلف کرتا ہے۔ جب یہ تہذیب ہندوستان میں رائج نہ تھی اور لوگ اس کے جال میں گرفتار نہ تھے تو کسی کو شرابی کہنا گویا گالی دینا تھا۔ بعض لوگ شراب بھی پیتے تھے تو چھپ کر برا کام سمجھ کر۔ اسی طرح زنا کا حال ہے۔ مغربی تہذیب کا جہاں دور دورہ ہے۔ زنا کا بازار بھی گرم ہے۔ اور اس کو اتنی بری نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔ ہندو دوسری اقوام کے ہاں کا پانی پینا یا کوئی چیز کھانی مذہباً ممنوع سمجھتے ہیں لیکن ڈاکٹری دوا اور شفاخانہ کا پانی اب ان میں بھی بالکل جائز اور حلال ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر مسلمان ہو یا انگریز اور دوا میں کسی مسلمان نے پانی ڈالا ہو یا انگلستان سے بن کر آئی ہو۔ غرض رسم و رواج کا اثر نہایت قوی اور دائمی ہوتا ہے۔ کافر رسم و رواج سے ایمان کا بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔

کافر بتوں سے مل کر مسلمان کیا رہے!
ہو مختلط جو ان سے تو ایمان کیا رہے
(اکبر)

ہندوستان کے چند مضر رسوم

ان ضرر رساں اور تباہ کن رسوم میں سے بعض جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں اور

انسانیت کے چہرہ کا بدنما داغ ہیں یہ ہیں: (۱) ذات پات کا نظام (۲) بچپن کی شادی (۳) بیوہ عورتوں کا دوسرا نکاح نہ کرنا (۴) جہیز۔ ذرا ان کی مضرتوں پر ایک نظر ڈال لو۔

(۱) ذات پات کا نظام

(۱) ذات پات کا نظام:۔ اس نظام کے آغاز و ابتدا کا صحیح تعین اب تک بھی شاید نہ ہو سکا۔ شاید گورے چٹے آریائی جب ہندوستان میں آ بسے تو تاریک رنگ دیسیوں سے انہوں نے کنارہ کشی اختیار کی اور اونچی نیچی ذات کا تخیل پیدا ہوا۔ کروڑوں ہندو اب ہزاروں ذاتوں میں منقسم ہیں اور اپنے ہمسایوں سے جدا زندگی بسر کر رہے ہیں، نہ آپس میں شادی کر سکتے ہیں، نہ مل جل کر کھا پی سکتے ہیں اور نہ خوشی غمی میں ایک دوسرے کے شریک ہو سکتے ہیں۔ رگ وید میں اس نظام کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اور بدھ مذہب کے آغاز کے وقت (پانچویں صدی قبل مسیح) ابھی یہ نظام تیار ہو رہا تھا لیکن چوتھی صدی قبل مسیح میں یونانیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام شمالی ہندوستان میں رائج ہو گیا تھا مگر اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک مختلف ذاتیں آپس میں شادی کر سکتی تھیں جو اس زمانہ میں قطعاً ناممکن ہے!

شاستروں میں چار ذاتوں کا ذکر ملتا ہے: (۱) برہمن (۲) چھتری (۳) ویش (۴) شودر۔ ہر ایک کے فرائض مخصوص اور متعین تھے۔ اور ہر جماعت میں ایک اپنا مخصوص فرض ادا کرتا تھا اور اس طرح کاموں کی انجام دہی میں سہولت پیدا ہوتی تھی لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ہر ذات میں مزید تقسیم ہونے لگی۔ اور اب یہ حال ہے کہ ان چار بنیادی ذاتوں میں سے ہر ایک ہزاروں مختلف ذاتوں پر منقسم ہے۔ برہمنوں کی ایک ذات دوسری ذات کے

افراد کے ساتھ شادی بیاہ کر سکتی ہے اور نہ آپس میں مل جل کر کھا پی سکتی ہے۔ اس تفریق اور علیحدگی نے اتفاق و اتحاد کے رشتوں کو پاش پاش کر دیا اور رقابت اور حسد نے ان کے سکون و طمانیت قلبی کو غارت کر دیا۔ ہندوستان میں مذہبی فرقوں کی یہ غیر انسانی تفریق پائی جاتی ہے تو یورپ میں امیر و غریب، سرمایہ دار اور مزدور کی تقسیم نے قیامت مچا رکھی ہے۔ جہل کی یہ تاریکی علم صحیح کے نور ہی سے دور ہو سکتی ہے۔ ہندؤں ہی میں بہت سارے مصلحین اخلاق نے ذات پات کی اس تمیز اور تفریق کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی ساری زندگی اپنی قوم کو یہ بتلانے میں صرف کر دی کہ یہ جہل ہے، حماقت ہے۔ قوم کو اس طرح آپس میں تقسیم کر کے ان کی وحدت کو غارت نہیں کیا جا سکتا۔ راجہ رام موہن رائے و دیا ساگر، ایشور چندرا نے ماضی جدید میں اور کارو ے، راناڈے، بوس، ٹیگور وغیرہ نے زمانہ حال میں اپنی آواز بلند کی اور ہندو قوم سے اس فتنہ کو رفع کرنے کی مردانہ کوشش کی۔ ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ کوششیں آگے چل کر ضرور بار آور ہوں گے۔ اور ساری دنیا بالآخر یہ محسوس کرنے لگے گی کہ انسان اپنی اصل و آفرینش کے لحاظ سے ایک ہے۔ ہم ایک ہی ڈالی کے برگ و ثمر ہیں۔ ایک ہی بہار کے پروردہ ہیں، ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ علامہ اقبال نے اس خیال کو خوب ادا کیا ہے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(پیام مشرق)

یعنی ہم اصل میں نہ افغان ہیں نہ ترک اور نہ تاتاری، ہم سب ایک ہی

بہ چمن کے یا ایک ہی باغ کے پودے ہیں، ہمارے رنگ و بو میں تمیز کیا کرتے ہو، ہم ایک ہی بہار کے پروردہ ہیں، یعنی ہم ایک ہی نظام کائنات کے اجزا ہیں، ایک ہی عالم گیر قانون قدرت کی حکمرانی کے تحت ہیں، ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں، اصل و آفرینش کے لحاظ سے سب ایک ہیں! پھر ذات پات کا یہ امتیاز فطرت کے خلاف نہیں تو کیا ہے

(۲) بچپن کی شادی

(۲) بچپن کی شادی: ہندوؤں میں ایک دوسری مضر رسم بچپن کی شادی ہے۔ سات یا آٹھ برس کی عمر میں بچوں کی شادی کر دی جاتی ہے، بلکہ لڑکا اور لڑکی ابھی گہوارہ میں ہوتے ہیں کہ ان کا بیاہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی کھلی ہوئی مضرتوں کو صدیوں سے محسوس کر کے بالآخر ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقہ نے شاردا ایکٹ کے منظور کرانے میں کامیابی حاصل کی لیکن عملاً اس کی سخت مخالفت جاری ہے اور ہزاروں طریقے سے اس ایکٹ کی گرفت سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے! ہزارہا سال کی پختہ رسم نے ان کے قلوب کو اپنے قبضہ میں اس طرح دبا رکھا ہے کہ باوجود اس کے بدیہی نقصانات کے احساس کے وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے!

(۳) بیواؤں کی حالت

(۳) بیواؤں کی بری حالت: بچپن کی شادی کے نتیجہ کے طور پر ہزاروں لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو بچپن ہی میں بیوہ ہو جاتی ہیں اور ایک دوسری رسم کی وجہ سے ان کا عقد ثانی نہیں کیا جا سکتا، اور اس طرح انہیں اپنی ساری عمر مغموم و مہجور خواہشیں جی کی اپنے جی میں لئے گزارنی پڑتی ہے! ان کی حالت قابل رحم ہوتی ہے! یہ جوانی کی امنگوں کو اپنے سینہ میں لئے ہوئے بھی محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسی

خشک شاخ ہیں جو نہ پھولے اور نہ پھل سکے"!

جوں نخل شمع قائم یاں وہ نہال ہوں میں
جز آہ وا شکاف جس کو نے برگ نے ثمر ہے (قائم)

مصلحین قوم نے اس تباہ کن رسم کو مٹانے کی جان توڑ کوششیں کی ہیں اور ان ہی کی ان کوششوں کے نتیجہ کے طور پر عقد بیوگاں کا قانون منظور کیا گیا جو "قانون عقد بیوگاں" (Widow Remarriage Validity Act) کے نام سے مشہور ہے! اس کے باوجود ہزاروں کنواری بیوائیں قیدیوں کی طرح تیرگی میں شام و سحر ایک کئے اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں اور اپنی سوسائٹی اور اس کی ان رسموں کو دل ہی دل میں دعا دے رہی ہیں!

(۴) جہیز

(۴) جہیز: ایک اور لعنت جو رسم کی صورت میں ہندو مسلمان ہر دو پر اس زمانہ میں سوار ہے وہ جہیز کی صورت میں مال و متاع کا کثیر مقدار میں مطالبہ ہے! آج کل کی شادیوں میں لڑکے صرف مال و دولت کی تلاش کرتے ہیں! وہ لڑکی کے حسن صورت کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں نہ اس کے حسن سیرت و خلق کی طرف، نہ آداب و اخلاق ہی کا انہیں زیادہ خیال ہوتا ہے نہ اس کی دینداری کا، وہ شادی کرنا چاہتے ہیں دولت سے، مال و متاع سے! وہ پوچھتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ جہیز اور کیا دیا جائے گا؟ کیا سونے کی پازیب اور تمام جسم کا زیور سنہری اور جڑاؤ کا بھی ہوگا؟ کیا رہنے کے لئے عمدہ فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ مکان بھی ہوگا! سواری کے لئے کیا اچھی عمدہ موٹر بھی ہوگی؟ وہ نوجوان بھی جن کی مالی حیثیت ادنیٰ ہوتی ہے بیاہ کے لئے ایسی لڑکی کی تلاش کرتے ہیں جو انہیں ایک ہی رات میں افلاس و نکبت سے نکال کر دولت و امیری کے مقام تک

پہنچادے۔ اسی حرص کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں شادی کے قابل لڑکیاں اپنے والدین کے گھروں میں کنواری بیٹھی ہیں اور دل ہی دل میں کہہ رہی ہیں۔

بوئے وفا و رنگ و محبت نہیں ہے یاں
یارب نوا اس چمن سے مرا آشیاں اٹھا (سوز)

علاج تعلیم ہے

ان تباہ کن رسوم کا قوم سے دور ہونا اس کی خوشحالی، ترقی اور طمانیت قلبی کے لئے مطلقاً ضروری ہے اور اس کا واحد ذریعہ تعلیم و تربیت ہے۔ جب تک قوم کا ہر فرد علم صحیح کا حامل بن جائے اس وقت تک ان روح کش حسرت سوز رسوم کا تسلط بھی عوام و خواص کے قلوب پر سے اٹھ نہیں سکتا۔ ابتدائی تعلیم کا لازمی و جبری ہونا ضروری ہے۔

تعلیم بالغان

تعلیم بالغان کا عام ہونا لازمی ہے۔ خود معلم بھی صحیح معنیٰ میں تعلیم یافتہ ہونے چاہئیں، خود ان کے دلوں سے ان رسوم کی وقعت اٹھ گئی ہو اور وہ ان کی گرفت سے آزاد ہو گئے ہوں۔ جب تک کہ خود معلم کا نفس پاک نہیں ہو جاتا اور وہ علم صحیح کے نور سے منور نہیں ہو جاتا جہل کی تاریکی کو اپنے طلبا کے دل سے دور نہیں کر سکتا! علم کی اشاعت ہی کے ذریعہ نقطۂ نظر میں انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے اور نقطۂ نظر ہی کے بدلنے سے عمل میں تغیر پیدا ہوتا ہے اور جہل کے آثار دور ہوتے ہیں۔

عورتوں کی تعلیم

تعلیم نہ صرف مردوں ہی کا حق ہے بلکہ عورتوں کا بھی۔ علم کا حاصل کرنا دونوں پر فرض ہے۔ زندگی میں دونوں کے فرائض جدا جدا ہیں۔ اسی اعتبار سے دونوں کو زندگی میں اپنا اپنا کام قابلیت اور اہلیت سے ادا کرنے کے قابل بنایا جانا چاہئے۔ عورتوں ہی کی تعلیم سے رسوم کی بڑی حد تک اصلاح ہو سکتی ہے کیونکہ رسموں میں عورتوں کا

بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ان کا وقت زیادہ تر گھر کے کاروبار میں گزرتا ہے۔ جن میں زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی اور ایک طرح کی یکرنگی سی ہوتی ہے، اسی لئے وہ گھر بیٹھی ایسے طریقے ایجاد کرتی ہیں جن سے دل بہلے، تازگی اور فرحت حاصل ہو۔ خوشگوار ہنگامہ ہو، اس کے نتیجہ کے طور پر طرح طرح کی رسمیں پیدا ہوتی ہیں! عورتوں کو جب صحیح تعلیم حاصل ہوگی تو ان کی نظر میں وسعت پیدا ہوگی، وہ ہر چیز کے نفع اور ضرر کے پہلو کو دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہوں گی۔ لغویات سے انہیں خود بخود کراہیت پیدا ہوگی۔ ضرر کا پہلو ان کی نظر میں نمایاں ہوجائے گا اور خود پرہیز کرنے لگیں گی! رسوم کی اصلاح کے لئے عورتوں کی تعلیم و تربیت اس طرح نہایت ضروری چیز ہے تعلیم کی روشنی میں اب عورتوں کو بچپن کی شادی کے نقصانات، عقد بیوگاں کے فوائد، ذات پات کے فرق و امتیاز کے نقصانات واضح طور پر نظر آنے لگیں گے، وہ رفتہ رفتہ مردوں کو بھی اپنا ہم خیال بنا سکیں گی اور خود مردوں میں صحیح تعلیم جہل کی تاریکیوں کو رفع کردے گی، اور وہ ہر چیز کو صحیح نقطہ نظر سے دیکھنے لگیں گے۔ اس طرح ایک دو نسلوں میں عظیم الشان اصلاح کی امید کی جاسکتی ہے۔

طالب علم کا فرض

ہر طالب علم کا فریضہ ہے کہ وہ علم صحیح کے حصول میں کوشش کرے، اس کی روشنی میں اپنے عمل کو درست کرے! عالم وہ نہیں جو علم کا پشتارا ڈگریوں کی صورت میں اپنی پیٹھ پر لادے پھرتا ہے اور عمل نیک سے محروم ہے! عالم وہ ہے جو اپنے علم صحیح کے مطابق عمل بھی کرتا ہے گفتار ہی کا مرد نہیں کردار کا بھی غازی ہوتا ہے! جو شخص علم کی شمع ہاتھ میں رکھ کر اپنے قدم اس کی روشنی میں نہیں

اٹھانا اس کی مثال اس اندھے کی سی ہے جس کے ہاتھ میں مشعل ہے اور اس کو لئے ہوئے کنویں میں جا گرتا ہے۔ تعلیم و تعلم کا اصلی مقصد اخلاق حسنہ سے آپ آراستہ ہونا اور دوسروں کو پیراستہ کرنا ہے، اپنے علم و عمل کی روشنی سے جہل و نادانی کے اندھیرے کو دور کرنا ہے، بھولے بھٹکوں کو راہ ہدایت دکھانا، حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے اور یہ سب محض خدا کی خوشنودی کی خاطر! ہر طالب علم اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر جب علم حاصل کرتا ہے اور علم کے نور سے اپنے سینہ کو منور کرلیتا ہے اور اپنے ساتھی کو بھی اسی نور سے منور کردیتا ہے تو اس کی مثال ایک شمع کی سی ہوتی ہے جس سے ہزاروں شمعیں روشن ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ ساری دنیا روشن اور منور ہوجاتی ہے! جہل، حماقت، کم عقلی کی تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں۔

میگریزد ضدہا از ضدہا!
شب گریزد چوں برافروزد ضیا! (رومی)

باب (۱۰)

اخوّت

ہر کہ نہ در راہِ عزیزاں بود
بارِ گران است کشیدن بدوش! (سعدیؒ)

اخوت کی بنیاد کیا ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے دو ڈھائی سو سال پہلے یونان میں فلسفیوں کا ایک طبقہ گزرا ہے جن کو رُواقیئین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یوں تو ان کے زیادہ تر خیالات افلاطون اور ارسطو ہی سے ماخوذ ہیں لیکن انہوں نے ایک اچھوتا خیال بھی پیش کیا تھا جو ہمیں نہ افلاطون کے ہاں ملتا ہے اور نہ ارسطو کے ہاں۔ اس خیال کی اصل دو ادعاات ہیں جن کو رواقیہ نے دلائل کے ذریعہ ثابت کیا ہے: (۱) خدا ایک ہے اور یہ کائنات جس کا اس سے صدور

ہوا ہے وہ بھی ایک ہے۔ اس کائنات پر جس قانون کی حکمرانی ہے وہ بھی ایک ہے اور یہ سارا انتظام نظامِ واحد ہے۔

(۲) تمام انسان خواہ غیر ضروری اور اتفاقی امور میں ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں، اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایک ہیں، لہذا تمام انسان اصلاً ایک ہیں[1] ۔ ایک ہی حکومت کے افراد ہیں اور یہ حکومت "حکومتِ الٰہی" ہے! ہر انسان ساری دنیا کا شہری ہے، ہر ملک اس کا ملک ہے کیونکہ اس کے خدا کا ملک ہے۔ ع

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست!

یہ "اخوت" بھی ہے اور "آفاقیت" "Cosmopolitanism" بھی۔ بنی آدم ایک اصل، ایک جوہر ہی سے پیدا ہوئے ہیں، گویا وہ ایک عضویت کے مختلف اعضاء ہیں، اس طرح ایک دوسرے کے بھائی ہیں، حقیقت کے لحاظ سے ایک اور صورت کے لحاظ سے مختلف! اگر یہ بات تمھاری سمجھ میں نہ آئے تو بقول جامی سمندر اور بلبلے پر غور کرو۔ بلبلے صورۃً ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، ان میں صورت کے لحاظ سے غیریت ہوتی ہے، کوئی چھوٹا ہوتا ہے، کوئی بڑا، لیکن ان سب کا مادہ سمندر کا پانی ہے! وہ ماہیت کے لحاظ سے ایک ہیں!

معنی بکلیت گرچہ صُوَر مختلف فتاد
ایں نکتہ را قیاس ز بحر و حباب کن (جامی)

عیسائیت نے رواقیہ کے اس تصور کی پوری تائید کی، اور اپنے

---

[1] ۔ کلکم من آدم ۔ تم سب آدم کی نسل ہو۔ (حدیث)

نظامِ مذہب کا سنگِ زاویہ محبت اور اخوت کو قرار دیا! پیغمبر اسلام صلعم نے اسی حقیقت کے پیش نظر فرمایا: اِنَّ الْعِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ۔ یعنی بندگانِ خدا آپس میں بھائی ہیں! سعدی نے اس کی تعبیر عضویت کے استعارہ میں کر کے اس کو زبان زد خاص و عام کر دیا:

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

جب ہم سب آپس میں بھائی ہیں کیونکہ ایک ہی جڑ کی ڈالیاں ہیں ایک ہی ڈالی کے برگ و ثمر ہیں، تو پھر ہمیں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے، رنج و راحت، خوشی و غم میں ایک دوسرے کے شریک حال ہونا چاہیئے! امیر و غریب، چھوٹے بڑے کا امتیاز اتفاقی ہے، عارضی ہے، حقیقی نہیں، اصلی نہیں! اس حقیقت کا علم ہم میں محبت پیدا کرتا ہے اور جب ہم محبت کو مشکل کشا بناتے ہیں تو پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہتی!

کوئی مشکل نہیں رہنے کی مشکل
محبت ہی اگر مشکل کشا ہے (جرأت)

تحدیدات

اخوت کا حکم بالکل صاف ہے، صریح ہے۔ اس کے معنی میں کوئی اشتباہ نہیں۔ ایک آدمی بھوک سے تڑپ رہا ہے، اب میرا فریضہ کیا ہے؟ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو کھلواؤں اصناف چاہتا ہے! لیکن ذرا غور کرو تو مشکلات پیدا ہوتی ہیں، ہزاروں بھوکے بھوک سے بے تاب ہیں۔ کیا مجھے ہر ایک کی بھوک کو رفع کرنا چاہیئے جو کچھ میرے ہاں ہے سب دے دینا چاہیئے کہ خود میرے ہاں کچھ نہ رہے۔

اور پھر ان کے آنے کا انتظار کیوں کیا جائے؟ کیوں نہ میں خود ان کی تلاش کروں؟ میرا ہمسایہ بیمار ہے، اور حاجت مند۔ میں اس کے ہاں جاتا ہوں۔ اس کی مدد کرتا ہوں۔ اس کو تسکین ہوتی ہے! کیا مجھے قدم آگے بڑھانا چاہیے اور جہاں کہیں بیمار اور حاجت مند ہوں ان کی تلاش کرنی چاہیئے، ان کی مدد کرنی چاہیئے اور ان کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کرنا چاہیئے؟ میں جانتا ہوں شہر میں ہزاروں بیمار ہیں! ہزاروں محتاج! پھر میرے اپنے کاروبار کا کیا حال ہو! ان کی طرف توجہ کرنے وقت کہاں سے آئے؟ کیا مجھے ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جانا چاہیئے اور ہمیشہ دوسروں ہی کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہیئے؟

صاف ظاہر ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو مجھے اپنی ذات اور اپنے کاروبار کی طرف توجہ کرنے کا نہ وقت ہی ملیگا اور نہ مجھ میں قوت ہی باقی رہیگی۔ اخوت کے فرمان کی بھی شکست لازم آئیگی۔ اگر ہر حال اور ہر وقت میں یہ فرض کر دیا جائے کہ ہمیں اپنی ذات کی طرف توجہ کرنے سے پہلے دوسروں کی خدمت کرنی لازمی ہے تو پھر اس حکم کی کلی تعمیل سے امور انسانی میں سراسر بگاڑ پیدا ہو جائے گا! اگر ہر شخص حضرت مسیح کے اس حکم کی تعمیل کرنے لگے جو اس نوجوان امیرزادے کو دیا گیا تھا کہ "جو کچھ تیرے ہاں ہے اس کو بیچ کر غریبوں کو دیدے" تو پھر کوئی خریدنے والا ہی باقی نہ رہے گا! کلی اور عالمگیر صورت میں یہ قانون اپنی آپ تردید کرتا ہے۔ یہ لازماً فرض کرتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ضرور موجود ہیں جو خریدنا اور حاصل کرنا چاہتے ہیں، خواہ قانون کچھ کہے!

ظاہر ہے کہ اگر ہم اس حکم کو کلی اخلاقی قانون کی شکل میں باقی رکھنا چاہیں

تو اس کی کسی قدر حد بندی کرنی چاہئے۔ شاید اس معاملہ پر اس طرح غور کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حقِ نفس | (۱) آدمی کا اولین فریضہ یہ ہے کہ خود اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو اجاگر کرے اور خود اپنی زندگی کو اچھی اور خوبصورت بنالے اس کام کے لئے وہ فطرتاً موزوں بھی ہے۔ ہر شخص اپنے مفاد کو دوسروں کی بہ نسبت بہتر جانتا ہے۔ دوسروں کی بھلائی کا خیال اس کو اپنے فوری فرائض کی ادائی سے بے خبر اور بے پروا نہ کر دینا چاہئے۔ اگر وہ دوسروں کی بھلائی کی خاطر اپنی ذات کے فرائض سے غفلت برتتا ہے اور جسمانی اور اخلاقی اعتبار سے ناقص رہ جاتا ہے تو وہ دوسروں کی خدمت کے قابل بھی نہیں رہتا۔ دیکھو اگر ایک ذہین مالدار نوجوان انجیل مقدس کے فرمان سے متاثر ہو کر اپنی جائداد کو فروخت کر کے غریبوں پر تقسیم کر دیتا ہے، اگر وہ اپنی تعلیم کو ترک کر کے بیماروں کی، ان کے گھروں اور شفا خانوں میں جا کر، خدمت کرنے لگتا ہے، بغیر خود کو اس خدمت کے خاص طور پر قابل بنانے کے، تو ہم اس کے اس فعل کو پسند نہیں کریں گے۔ ہم اس کے ایثار و انکسار کی تعریف کریں گے لیکن اس کے عمل کو دوسروں کے لئے اچھا عمل نہیں قرار دیں گے۔ بلکہ شاید ہم کہیں گے کہ اس کو چاہئے تھا کہ اپنی صلاحیتوں کا اور زیادہ بہتر استعمال کرتا۔ اگر وہ اپنی تعلیم جاری رکھتا اور قابل طبیب یا معلم بنتا تو اس کی زندگی بھی زیادہ اچھی اور خوبصورت ہوتی اور وہ دوسروں کے لئے بھی زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوتا۔ یہی معنی ہیں اس حکیمانہ قول کے کہ ہر شخص اپنی اور دوسروں کی خدمت اسی صورت میں زیادہ سے زیادہ کر سکتا ہے جب وہ اپنی صلاحیتوں کو زیادہ اجاگر ہونے کا موقع دیتا ہے" جب

پھول اپنے آپ کو سنوارتا اور سجاتا ہے تو وہ باغ کو بھی پُر رونق و آراستہ کردیتا ہے

(۲) دست نگری نہ پیدا ہوا

(۲) دوسروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنے کے فرض کی حدبندی ایک اور طریقہ سے کی جانی چاہیئے ؛ مجھے خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کی آزادی مٹ نہ جائے اور ان میں سخاوت کو تکنے کا مادہ پیدا نہ ہو جائے ۔ اگر میرے عمل سے ان میں یہ بات پیدا ہو جائے تو میرا عمل اچھا نہیں بلکہ قطعاً بُرا ہے کیونکہ "خود اعتمادی باعزت زندگی کی اولین شرط ہے کسی کی مدد کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ بالآخر اس کو ہر قسم کی مدد سے بے نیاز کر دیا جائے" تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی ایسے بچہ سے ضرور واقف ہوگا جس کی اتنی مدد کی گئی کہ آخر اس میں خود سے کچھ کرنے اور فکر و تدبیر کرنے کا مادہ فنا ہو گیا ۔ کتنے مریض اس سے اور بھی اپاہج ہو گئے کہ دوسرے بڑی فکر اور تندہی کے ساتھ ان کی خبرگیری کرتے رہے ! یاد رکھو کہ اصل میں خیرات یا دوسروں پر نوازش کرنے یا ان کی مصیبت کو دور کرنے کے یہی معنی ہیں کہ ان کو ایسی حالت میں پہنچا دیا جائے کہ پھر وہ کسی کے محتاج نہ ہوں اور اپنی محنت سے کمائیں اور باعزت زندگی بسر کر سکیں ! کیونکہ ہر شخص میں فطرۃً وہ جذبہ موجود ہوتا ہے جس کو "استغنا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کو غالب نے مبالغہ آمیز طریقہ پر یوں ادا کیا ہے ۔

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا !

اس جذبہ کی فطری حد تک پرورش ضروری ہے ! امداد کی حاجت یہی کو رفع کرنا چاہیئے کہ نہ حاجت رہے اور نہ امداد کی ضرورت ہو ! اس طرح

آزادی اور حریت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) خویش اور اقربا کے حقوق مقدم

(۳) اخوت کے کلی فرض کی حد بندی ان خاص فرائض سے بھی کی جانی چاہئے جو قریب کے ہمسایوں کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر شخص ہماری ہمدردی اور امداد کا مساوی حق نہیں رکھتا۔ ہم سے جو لوگ قریب تر ہیں۔ ہمارے اہل و عیال والدین، رشتہ دار، دوست، خادم، گھر کے قریب رہنے والا ہمسایہ وہ ہم پر ان لوگوں کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں جو ہم سے دور کا تعلق رکھتے ہیں۔ یا اس معنی میں ہمارے ہمسایے ہیں کہ وہ اسی شہر کے باشندے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت اجنبیوں اور فقیروں میں تقسیم کر دے اور اپنے ہی اہل و عیال کو فاقہ میں مبتلا کر دے، اگر کوئی ماں سات یتیم خانوں کی نگرانی اپنے ذمہ لے لے اور خود اپنے بچوں کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھے تو ہم اس کے اس فعل کو ہرگز اچھا نہیں سمجھیں گے! ہم ان سے کہیں گے؛ فرض کی ادائی مقدم ہے نوافل کا درجہ بعد میں ہے؛ تمہیں پہلے اپنے فرائض کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اس کے بعد دوسرے مسائل کے حل کی طرف رخ کرنا چاہئے۔ اس طرح انفاق اور خیرات میں پہلا مرتبہ اقربا کا ہے، پھر یتیموں کا، پھر مسکینوں کا، پھر مسافروں کا، جو اپنے وطن سے دور ضروریات زندگی کے محتاج ہو گئے ہیں! اس طرح فضیلت اخوت یا محبت کے استعمال کے راستے مقرر ہو جائیں گے اور وہ ایک دائمی چشمہ کی طرح بہتے رہے گی۔ اور اپنے کناروں کو سرسبز و شاداب رکھیگی۔

کلی ضابطہ

اب ہم اخوت یا دوسروں کی فلاح کے خیال کو اس ضابطہ میں ادا کر سکتے ہیں: "جہاں تک ممکن ہو سکے دوسروں کا

بھلا چاہو اور بھلا کرو۔ بشرطیکہ خود تمہاری زندگی کے مسائل کی طرف سے غفلت نہ ہو، ان خاص فرائض کا ترک لازم نہ آئے جو خاص افراد یا جماعتوں کے تعلق سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسروں کی خود اعتمادی میں ضعف پیدا نہ ہو" کیونکہ

روشن شود چراغ دل ما زیکدگر ۳۸

چوں رشتہائے یہ شمع ہمہ زندہ ایم

اخوت و محبت کے اثرات :-

محبت واخوت کے خوشگوار اثرات ونتائج کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔ یہ غم والم کو کم کرتی ہے احتیاجات کو رفع کرتی ہے مسرت وخوشی میں اضافہ کرتی ہے اور قلوب میں محبت واعتماد کو پیدا کرکے انہیں آپس میں جوڑ دیتی ہے! اس کی وجہ سے دنیا، جو غم کی وادی ہے، بڑی حد تک گلزار بن جاتی ہے غم جو دھویں کی طرح عالم پر چھایا ہوا ہے اور جس سے ہزاروں کا دم گھٹ رہا ہے بڑی حد تک دور ہو جاتا ہے! یہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی ہے ان میں امید کی جھلک پیدا کرتی ہے! زخمی دلوں کے لئے یہ مرہم کا کام کرتی ہے اور زندگی کو قابل برداشت بناتی ہے! محبت واخوت کے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں! محبت کے اثرات کو عارف رومی کی زبان سے سن لو۔

(۱) از محبت تلخ ہا شیریں شود
از محبت مسہا زریں شود

(۲) از محبت دردہا صافی شود
وز محبت دردہا شافی شود

(۳) از محبت خارہا گل می شود
وز محبت سرکہ مُل می شود

(۴) از محبت سجن گلشن می شود
بے محبت روضہ گلخن می شود

(۵) از محبت نار نورے می شود
از محبت دیو حورے می شود

(۶) از محبت حزن شادی می شود
وز محبت غول ہادی می شود

(۷) از محبت نیش نوشے می شود
وز محبت شیر موشے می شود

(۸) از محبت سقم صحت می شود
وز محبت قہر رحمت می شود۔

(۹) از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شودلہ

محبت کے ان اثرات سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے، اخوت کی قوت کا کون انکار کر سکتا ہے؟

اقوام میں اخوت افراد کی باہمی محبت و اخوت کے نتائج تو صاف ہیں لیکن اخوت کا رشتہ اگر اقوام کے درمیان قائم ہو جائے تو دنیا میں امن و امان، راحت و اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور بنی آدم عملاً ایک ہی جسم کے اعضا بن جاتے ہیں، رواقیہ کی آفاقیت سچ ثابت ہوتی ہے اور فرد کا وطن ساری دنیا قرار پاتا ہے۔ اور شہنشاہ روما

مارکس اوریلیس[1] کے حکیمانہ قول کی تائید میں ہم بھی کہہ سکتے ہیں "میری فطرت عقلی و معاشرتی واقع ہوئی ہے اور انٹونینس ہونے کی حیثیت سے تو میرا وطن روما ہے لیکن انسان ہونے کی حیثیت سے میرا وطن ساری دنیا ہے!"

جنگ کی تباہ کاریاں

اقوام جب رشتہ اخوت میں شریک ہو جاتی ہیں تو پھر جنگ کا امکان باقی نہیں رہتا اور دنیا میں امن قائم ہو جاتا ہے! جسمانی اور روحانی اقدار کی تکمیل کے لئے امن شرط مقدم ہے۔ بغیر امن کے صحیح معنی میں ترقی کا امکان نہیں! جنگ کی بربادیوں کا ذکر اس نسل کے سامنے جو اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہی ہے قطعاً غیر ضروری اور عبث ہے! وہ خود محسوس کر رہی ہے کہ طمانیت قلب و جمعیت خاطر بالکل مفقود ہے! غلہ جس پر زندگی کا دارومدار ہے کھیتی سے ہوتا ہے اور جنگ ہمیشہ زراعت پیشہ اشخاص کو زراعت سے توڑ کر اپنے میدانوں میں لے آتی ہے اس لئے کھیتی کا کاروبار مسدود ہو گیا ہے! رسد رسانی کے لئے ذخائر جمع رکھنے پڑتے ہیں اور غلہ محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر نرخ بڑھ جاتا ہے اسی لئے گرانی ہے قحط ہے اور اس کے ہولناک نتائج! صنعت و حرفت کے کارخانے بند ہیں، قلی مزدور اور کارخانوں میں کام کرنے والے یا تو سامان جنگ بنا رہے ہیں یا فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں اور بعض کارخانوں میں جو بچ گئے ہیں کچھ چیزیں بنتی ہیں لیکن کس قدر مہنگی ہیں تجارت سرد پڑی ہے۔ تجارت کا دارومدار سمندر اور جہازوں کی آزادی پر ہے! سمندر میں ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ دشمن کے ہوائی جہاز

---

[1] Marcus Aurelius شہنشاہ روم و رواقی مفکر سنہ ۱۲۱ء میں روما میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۰ء میں وفات ہوئی۔ اس کی شہرہ آفاق کتاب Meditations معارف کا خزانہ ہے۔

اوپر سے تاک لگائے ہیں، ان کی آبدوز کشتیاں (submarines) گھات میں بیٹھی ہیں، بہتی سرنگیں آگ سے موت کا سامان لئے تیار ہیں! ان خطروں میں کارخانے والے اپنا سامان روانہ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی تاجر ان کو منگوا سکتا ہے! طرفین سے کوشش ہو رہی ہے کہ کوئی چیز دشمن کو نہ پہنچے اور اس طرح تجارت برباد ہو گئی ہے!

جنگ نے لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، کروڑوں کو زخمی کر کے عمر بھر کے لئے بیکار کر دیا! ہزاروں خاندان رنج والم کا مرقع بن گئے ہیں اور ان کے گھروں میں تباہی اور اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اپنے عزیزوں کی جدائی میں ان کی جان عجب طرح کے عذاب میں مبتلا ہے!

جن شہروں میں خود رن پڑا ہے ان کی تو اینٹ سے اینٹ بج گئی! اونچی اونچی عمارتیں مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں، فصلیں برباد ہو گئیں، نادر چیزوں کے ذخیرے تباہ ہو گئے۔ تہذیب کا نام و نشان تک باقی نہ رہا!

آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا!

جو دماغ ان چیزوں کی ایجاد کے لئے موزوں تھے جن سے خلق کا نفع ہو، وہ قتل و غارت کے اسباب و آلات کی ایجاد میں مصروف ہیں! بری طرح ملک قرض دار ہو گئے ہیں اور کروڑوں روپیہ روزانہ بری اور بحری فوج کے انتظام پر صرف ہو رہا ہے۔ جنگ کے اثرات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں اور سینکڑوں مصیبت زدہ خاندان نہایت عسرت و فلاکت کے ساتھ زندگی کے دن کاٹتے ہیں جن کی "خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں" ہوتی ہیں اور ان کی تشبیہ "گور غریباں" کے "چراغ مردہ بے زباں" سے دی جا سکتی ہے! ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ افلاس بیماری اور مصیبت کا شکار ہوتی ہے! نا امیدی و یاس ان کے قلب میں جا کر جاتی ہے۔ پھر نہ اپنے ہی

کام کے رہتے ہیں اور نہ جماعت (سوسائٹی) کے!

جنگ کی تباہ کاریوں کا احساس اور اس کے رفع کرنے کی کوشش

جنگ کی ان تباہ کاریوں سے اب تمام قومیں خوب واقف ہوگئی ہیں! امریکہ، روس اور برطانیہ نے یالٹا (کریمیا) میں ۱۲ فروری ۱۹۴۵ء کو چرچل، روزولٹ اور اسٹالن کی زبان سے اٹلانٹک چارٹر[1] پر اپنے اذعان والقان کو پھر سے تازہ کیا ہے۔ دنیا کی تمام امن پسند قوموں کے ساتھ مل کر وہ ایسا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے امن، آزادی سلامتی اور عام فلاح کا ضامن وکفیل ہو جو انہیں خوف و احتیاج سے نجات دلائے جو انہیں افکار و اعمال کی آزادی، دین ومذہب کی حریت عطا کرے! اس کے حصول کے لئے ان کا یقین ہے کہ ایک "بین الاقوامی ادارہ"[2] کا قیام ضروری ہے جس میں اقوام کی ساری نزاعیں بے غرضی اور ہمدردی سے سلجھائی جاسکیں! اس کی بنیاد سان فرانسسکو کانفرنس میں (۴۶) قومیں ڈال رہی ہیں۔ انسان اگر اپنی اصل و آفرینش پر نگاہ رکھے، بہیمیت اور خود غرضی سے کام نہ لے تو

---

[1] اٹلانٹک چارٹر میں انہیں چار آزادیوں کا دنیا کی ہر قوم کو یقین دلایا گیا ہے۔ خوف و احتیاج سے نجات، آزادی فکر وعمل، آزادی دین ومذہب۔

[2] اس کا افتتاح ۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء میں سان فرانسسکو (امریکہ) میں ہوا۔ چھیالیس اقوام کے نمائندے موجود تھے۔ امریکہ کے صدر ٹرومن نے مندوبین کو خوش آمدید کہتے ہوئے ریڈیو پر تقریر نشر کی۔ اور فرمایا کہ "ہمیں اب اس امر کا قطعی انتظام کرنا چاہئے کہ دوسری جنگ کا امکان ہی نہ رہے۔ ہمیں اپنی قوموں کی کامل ہدایت حاصل ہے کہ ہم آئندہ کسی جنگ کے وقوع کو ناممکن بنا کر چھوڑیں اگر ایسا کرنا انسانی قلب ودماغ و توقع کے اختیار میں ہو۔۔۔۔۔۔"

قسم کے ادارہ کا قیام ہر آن ممکن ہے! تمام انسان اپنے جوہر کے لحاظ سے ایک ہیں، ایک ہی عضویت کے مختلف اعضا ہیں، ایک ہی کائنات کے افراد ہیں، ایک ہی نظام کے اجزا ہیں، ایک ہی قانون کی حکمرانی کے تحت ہیں، ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ مربوب ہیں، ان کی باہمی نزاعیں باہمی سمجھوتے میں مبدل ہو سکتی ہیں! ہم انسان کے باطنی و خلقی جوہر خیر سے مایوس نہیں!

ایک مسجد ایک سجدہ ایک مسجود ایک خلق
کیوں نزاعیں تم میں اے گبر و مسلماں آ گئیں

باب (۱۱)

پیشے کا انتخاب

خردمند مردم ہنر پرور اند[۲۱]
کہ تن پروران از ہنر لاغر اند
(مہدی)

پیشہ کا انتخاب اہم کیوں ہے

زندگی نام ہے عمل کا، جدوجہد کا سعی و کوشش کا! زندگی کی راہ میں دم آخر تک مجاہدہ و عمل ہی کی ضرورت ہوتی ہے! پیشہ ہمارے عمل کے رُخ کو، جدوجہد کی سمت کو، سعی و کوشش کی راہ کو معین کرتا ہے۔ اگر یہ راہ خوش بختی سے ہماری قابلیتوں اور صلاحیتوں کی فطری راہ ہوتی ہے تو ہماری زندگی کامیابی اور مسرت کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے پیشہ میں دلچسپی ہوتی ہے، جو وقت اس میں

صرف ہوتا ہے وہ ہماری تخلیقی قوت کے اظہار میں صرف ہوتا ہے اور اس کی لذت سے ہم کنار ہوتے ہیں! اگر اس کے برخلاف ہماری فطری صلاحیتیں ہمیں اس سمت رہبری نہیں کرتیں جو ہم نے پیشے کی صورت میں اختیار کر رکھی ہے تو یہ پیشہ ہمارے لئے وبال جان ہوتا ہے، عذاب ثابت ہوتا ہے! ہم فوراً محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں ہوئے! ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

کا حکیمانہ قول ہمیں یاد آتے لگتا ہے اور اس کی صداقت کا واضح طور پر شعور ہونے لگتا ہے! لہذا ہماری زندگی کی فلاح و بہبودی کے لئے کامیابی و مسرت کے لئے، راحت و طمانیت کے لئے اور نیز جماعت کے سود و بہبود کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارا پیشہ ہمارے فطری اقتضاءات کے مطابق ہو! اسی لئے پیشہ کا انتخاب ایک نہایت اہم معاملہ ہے جس میں حزم و احتیاط کی پوری ضرورت ہے۔

لڑکوں کے پیشہ کا انتخاب خود والدین کو نہ کرنا چاہئے

بعض والدین اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے اپنے بچوں کے لئے ابتدا ہی سے پیشہ کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ آگے چل کر ان کا لڑکا بیرسٹر بنے، یا ڈاکٹر، لیکن بچوں کی فطری قابلیتوں کا اندازہ کئے بغیر ان کے لئے کسی پیشہ کا متعین کر دینا ان پر صریحاً ظلم کرنا ہے! ہر بچہ خوابیدہ صلاحیتوں کا ایک گنجینہ ہے، ہمیں نہایت مسرت کے ساتھ ان صلاحیتوں کو بیدار ہوتے اور ترقی کرتے ہوئے دیکھنا چاہئے! باغبان کا ہنر پھول یا میوہ کے رنگ کیفیت اور مقدار کے متعین کرنے میں کسی حد تک دخل رکھتا ہے لیکن وہ گلاب کے درخت سے مٹر کے دانے

یا سیب کے درخت سے انار نہیں پیدا کر سکتا۔ بالکل اسی طرح معلم (والدین اور مدرس دونوں) کا کام ہے کہ بچے کے لئے وہ ماحول پیدا کرے جو اس کی مخصوص صلاحیتوں کو ترقی کرنے کا بہترین موقع عطا کرے وہ اس کو اس کی فطرت کے خلاف کسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو ایسی کوشش کرنی چاہئے!

پیشہ کے انتخاب میں غلط اعتبارات

اور خود بچوں کو بھی نہ چاہئے کہ بغیر اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ کئے کسی پیشہ کو اختیار کر لیں۔ عموماً کسی پیشہ کے انتخاب کے وقت والدین کی اور خود بچے کی نظر تنخواہ یا آمدنی کی جانب ہوتی ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کیا اس سے معقول آمدنی ہو سکتی ہے کہ ساری عمر فراغت و راحت میں گزر سکے؟ کیا اس کے اختیار کر لینے سے سوسائٹی میں وقار حاصل ہو سکتا ہے؟ کیا اس پیشہ میں آسانی اور آسائش کا بھی حصول ممکن ہے کہ زندگی کے چند دن تنگی اور مفلسی میں نہیں بلکہ تن آسانی اور سہولت سے گزریں کیونکہ

جہاں از پے شادی و دل خوشی است
نہ از بہر بیداد و محنت کشی است[۱]!

کیا اس پیشہ کو اختیار کرنے سے آئندہ ترقی کے امکانات بھی ہیں، مال و دولت کے اعتبار سے، جاہ و عزت کے لحاظ سے، لذت و مسرت کی رو سے؟

صحیح اعتبار: صلاحیت

پیشہ کے انتخاب کے وقت ان اعتبارات کا پیش نظر رہنا سراسر غلط تو نہیں لیکن ان سب سے مقدم وہی اعتبار ہے جس کا ذکر ہوا کہ آیا یہ پیشہ میری فطری صلاحیتوں کے نمایاں ہونے کا موقع عطا کرتا ہے یا نہیں؟ اسی شرط کے پورے ہونے پر ترقی کا امکان ہے اور راحت

وطمانیت کا، اچھی پوزیشن کا حصول بھی ممکن ہے اور معقول آمدنی کا پیدا کرنا بھی کیونکہ جب تک ہم اپنے کام کو قابلیت، توجہ اور انہماک کے ساتھ انجام نہیں دیتے۔ اس وقت تک ترقی کا بھی امکان نہیں اور ظاہر ہے کہ کام کو قابلیت کے ساتھ انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمارے مذاق اور صلاحیت کے مطابق ہو لہٰذا شرط لازم پیشہ کا میری فطری صلاحیتوں کے مطابق ہونا ہے، ملزوم ترقی، مال و دولت، جاہ و عزت، راحت و مسرت۔ اگر لازم نہ ہو تو ملزوم کا کیا امکان؟

صلاحیتوں کا تعین کس طرح کیا جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ کیا فطری صلاحیتوں کا تعین آسان ہے؟ کیا اس معاملہ میں اکثر لوگ دھوکے میں مبتلا نہیں ہو جاتے اور پیشہ کی خارجی چمک دمک ان کی بصر و بصیرت دونوں کو خیرہ نہیں کر دیتی اور وہ یہ سمجھنے نہیں لگتے کہ وہ اس کے قطعاً موزوں ہیں حالانکہ ان کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کی دریافت کا کیا طریقہ ہے؟

علماء نفسیات کا مشورہ

موجودہ زمانہ میں علمائے نفسیات سے ہمیں بڑی مدد ملتی ہے یہ ہماری سیرت اور افتادِ طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں مختلف طریقوں سے وہ نوجوانوں کا مطالعہ کرتے ہیں مختلف طریقوں سے وہ نوجوانوں کا امتحان کرتے ہیں اور بالآخر بتلا سکتے ہیں کہ انہیں وہ کن پیشوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں کامیابی اور مسرت حاصل ہو سکتی ہے ان کے اس کام کو اب "Vocational Guidance" پیشہ کی رہبری کہا جاتا ہے۔

صلاحیتوں کی جانچ

علماء نفسیات پہلے تمہاری ذہانت کو جانچتے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ذہانت کے لحاظ سے تمہاری عمر کیا

قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تمھاری حقیقی عمر تو پچیس سال ہو لیکن ذہنی قابلیتوں کے نشوونما کے لحاظ سے تم پندرہ سال کے لڑکے سے بھی کم ہو۔ یا معاملہ برعکس ہو یعنی پندرہ سال کی عمر میں تمھاری ذہانت اور فراست پچیس سال کے نوجوان کی سی ہو۔ اس طرح عمریں دو قسم کی قرار پاتی ہیں ایک حقیقی عمر، دوسرے ذہنی عمر۔ اب فرض کرو کہ تمھاری حقیقی عمر سولہ سال تین ماہ ہے اور ذہنی عمر اکیس سال ایک ماہ تمھیں زیادہ نشانات ملیں گے، علمائے نفسیات ان کو "Intelligent Quotient" کہنے لگے ہیں۔ تمھارے نشانات (۱۴۱) ہوں گے۔ اوسط قسم کے آدمی کے نشانات (۱۰۰) ہوتے ہیں۔ اگر اسی عمر کے لڑکے کو ذہنی عمر کے لحاظ سے تیرہ سال قرار دیا جائے تو اس کو (۸۷) نشانات دیے جائیں گے۔

جن نوجوانوں کے عقلی نشانات (۱۴۱) ہوں ان کے لئے جو پیشہ مفید ہوگا وہ قطعاً اس لڑکے کے پیشہ سے مختلف ہوگا جس کے عقلی نشانات صرف (۸۷) ہیں اپنی عقلی سطح سے اونچا پیشہ اختیار کر لینے میں بلا کی کوفت اور تکلیف ہوتی ہے! زندگی گویا پیہم بن جاتی ہے! کمتری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی اپنے سایہ سے بھی گھبرانے لگتا ہے!

ایک اور طریقہ سے نوجوانوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ یہ "خصوصی قابلیت" یا صلاحیت کا امتحان کہلاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک لڑکا کتابی مضامین میں تو کمزور ہوتا ہے لیکن عملی قسم کی قابلیت اس میں خاصی ہوتی ہے چنانچہ وہ لڑکے جنھیں مدرسین نے ناکارہ قرار دیا تھا اکثر صورتوں میں قابل انجینیر، صناع، فن کار اور موجد نکل آئے۔

علمائے نفسیات نوجوانوں کی "افتادِ طبیعت" کا بھی امتحان کرتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا یہ نوجوان منکسرانہ کی صورت میں

اچھا کام کرتا ہے یا وہ کسی بھی انتظام یا اقتدار کی زیادہ پروا نہیں کرتا؟ کیا اس کی نظر میں افسر یا قائد بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے؟ کیا وہ قابل اعتماد ہے اور خطرہ کے وقت اپنی عقل سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ کیا وہ جنگ جو آبادہ پیکار سا آدمی ہے جو تنقید کی تاب نہیں لاسکتا؟ کیا وہ بزدل یا کمتری کا شدید احساس رکھنے والا شخص ہے جو اپنی قابلیتوں کا مظاہرہ نہیں کرسکتا؟

ان چیزوں کو علمائے نفسیات اس نوجوان کے دوستوں اور ملاقاتیوں سے دریافت کر لیتے ہیں۔ ہم عمر دوست ان خصائل سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور اپنی معلومات کو چھپانے کی زیادہ کوشش بھی نہیں کرتے!

"جسمانی خصوصیات" کا جاننا بھی بڑی مدد دیتا ہے۔ کیا نوجوان کی صحت اچھی ہے؟ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت؟ وغیرہ

علاوہ ذہنی قابلیتیں طبیعت کی خرابی کی وجہ سے بیکار ہو جاتی ہیں مثلاً ایک ایسے نوجوان کو، جو فراست و ذہانت کے لحاظ سے تو تیز ہے لیکن بجائے اپنے مخالف سے صبر و سکون کے ساتھ بحث کرنے کے طمانچہ رسید کرتا ہو، یہ مشورہ دینا کہ تم سیاست کو اپنا پیشہ بناؤ فضول ہے! اس طرح تم محسوس کر رہے ہوگے کہ طبیعت کی افتاد کا لحاظ پیشے کے انتخاب میں کس قدر اہم ہے؟

جب کوئی لڑکا یا لڑکی اپنی تعلیم ختم کرلے اور کسی پیشہ کا انتخاب درپیش ہو تو بہتر یہ ہے کہ کسی نفسیات داں سے مشورہ کر لیا جائے جو اس معاملہ میں ماہر ہو۔ اگر ایسا نہ کیا جا سکے تو پھر اور طریقے بھی ہیں۔ اکثر مدرسوں کے صدر مدرس آج کل پیشہ کی رہبری کے متعلق معلومات رکھتے ہیں ان سے مشورہ کرنا مفید ہوگا۔ بہتر تو یہ ہے کہ پانچ کی ایک کمیٹی بنائی جائے اور مسئلہ پر غور و فکر کیا جائے۔ اس کمیٹی میں:

(۱) خود لڑکا ہوگا جو اپنی خواہش کا اظہار کرے گا۔

(۲) اس کا ایک ہوشیار بے لاگ دوست ہوگا جو اس کے متعلق اپنی رائے دے گا۔

(۳) اس کی جماعت کا مدرس ہوگا جو اس کے کام، اس کی عادتوں اور اس کے مدرسہ کی قابلیتوں کو بتلائے گا۔

(۴) اس کا صدر مدرس ہوگا جو پیشوں کے متعلق مشورہ دیگا۔

(۵) اس کے والدین میں سے کوئی ایک جس کو بالآخر انتخاب کا حق ہوگا۔

زندگی کا مقصود؟

اس طرح پیشہ کا انتخاب لڑکے کی صلاحیتوں کے مطابق ہو سکے گا اور ناکامی کا اندیشہ بڑی حد تک رفع ہو جائیگا لیکن اس سلسلہ میں زیادہ اہم چیز جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ہر نوجوان

لذۃ اندوزی نہیں

کو اپنی زندگی کا مقصود صرف اپنی ہی ذات کی منفعت نہیں قرار دے لینا چاہئے۔ اس کا نقطہ نظر کامل طور پر خود غرضانہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کیونکہ زندگی کی غایت نہ لذت اندوزی ہے اور نہ مال

مال وجاہ نہیں

وجاہ کا حصول۔ ہر تجربہ کار لذت پرست کا یہی تجربہ ہے کہ لذت کی جتنی تلاش کروگے وہ بچ نکلے گی، جتنی زیادہ اس کی خواہش کروگے اتنی ہی وہ کم ملے گی اور جس قدر اس کی طرف سے بے پرواہ ہو جاؤگے اسی قدر وہ تمہارے پیچھے دوڑتے پھرے گی! اس کی مثال سایہ کی سی ہے۔ تم اپنے سایہ کو پکڑنے جاؤ وہ آگے بڑھ جاتا ہے تمہارے ہاتھ نہیں آتا منہ پھیر کر چلنے لگو وہ تمہارے پیچھے ہو لیتا ہے! کبھی لذت نفس کو زندگی کا

شہرت نہیں

مقصود نہ بنانا، اور نہ ہی محض جھوٹی شہرت تمہاری نمایت حیات ہے

شہرت کا طالب دراصل اپنی تشہیر چاہتا ہے، وہ اپنی تعریف کا جویا ہوتا ہے، ذرا غور تو کرو تعریف جو خلق کی زبان سے نکل رہی ہے وہ آخر ہوا ہی تو ہے جس کا ہلکا سا جھونکا بھی طالب شہرت کے غنچۂ دل کو شگفتہ کر دیتا ہے! مگر کیا کوئی عقلمند اپنی مسرت کی عمارت کی تعمیر ہوا پر کر سکتا ہے؟ کیا ہوا پر اس کا اختیار ہے؟ کون جانتا ہے کہ کل ہوا کا رُخ کس طرف ہوگا؟ جو یا بہ خصلت عوام آج اپنے ہیرو کو اوج آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور کل بغیر کسی وجہ کے خاک ذلت پر پٹک دیتے ہیں! آج تحسین و آفریں ہے اور کل لعنت و ملامت اور کچھ دن بعد مطلق غفلت اور فراموشی! تمھیں اپنی زندگی کا مقصود ایسی ناقابل اعتبار شے ہرگز نہ بنانی چاہیے اور نہ اپنی مسرت اور طمانیت کی عمارت ایسی بنیاد پر قائم کرنی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمھیں کسی فن میں حصول کمال سے منع کر رہے ہیں۔ ہم علم و فن میں کامل مہارت حاصل کرنے کی خواہش کو جائز سمجھتے ہیں، ہم کمال حریت یعنی شہوت و جذبات سے آزادی، دنیوی تردّدات سے نجات کو کمال قرار دیتے ہیں! ہم اس جذبہ کی مذمت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے کمال کے پیدا ہونے کے بعد ایک شخص اپنی ذات کو کبیر اور سارے جہان کو حقیر و صغیر جانتا ہے یا پھر کمال اس لئے حاصل کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں اور جسموں پر حکومت کرے اور اس سے حاصل ہونے والی لذت کو اپنی زندگی کا مقصود قرار دے! ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی لذت نہایت ناپائدار چیز ہے اور یہ زندگی کی غایت نہیں قرار دی جا سکتی۔

زندگی کا مقصود مال و دولت بھی نہ ہونا چاہئے۔ زندگانی میں کامیابی محض مالیاتی کامیابی کا نام نہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں کہ دولت تمام پریشانیوں اور غموں کا علاج ہے اور حصول راحت و طمانیت کا واحد ذریعہ ہاں اگر دولت کا

استعمال صحیح طریقہ پر کیا جائے تو وہ ایک زبردست آلہ ثابت ہو سکتی ہے اور اپنی ذات کا اور قوم کا اس سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر دولت کو محض حصول لذت کا ذریعہ قرار دیا جائے تو یہ تباہی کے غار میں لیجا کر ڈال دیتی ہے اور انسان جسمانی اور اخلاقی اعتبار سے بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے! اب دولت سے پریشانیاں کم نہیں ہوتیں بڑھ جاتی ہیں اور دولت مند ان کا حمال بن جاتا ہے، انہیں اپنی پیٹھ پر لادے پھرتا ہے! اس کی وجہ ہم کو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کی خواہشیں بیشمار ہوتی ہیں اور "ایک خواہش پوری ہوتے ہی دوسری خواہش پیدا ہوتی ہے"۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مرض استسقاء (پیاس روگ) کا مریض سمندر سے پانی پی رہا ہے اور جوں جوں پیتا جاتا ہے اسکی پیاس تیز تر ہوتی جاتی ہے اور سمندر کا پانی ختم نہیں ہوتا! اسی لئے اس واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال و جاہ کے بڑھنے سے حرص بھی بڑھتی جاتی ہے اور کوئی حد ایسی نہیں جہاں پہنچ کر ہم کہہ سکیں کہ بس اب کافی ہے میں راضی ہو گیا! اس کا راز ہی یہ ہے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں، ان کا سلسلہ لامتناہی ہوتا ہے اور انکا درد ناقابل تشفی ہوتا ہے!

رضائے حق کی خاطر خلق کی خدمت

پیشہ کے انتخاب کے وقت ذہن میں یہ بات موجود ہونی چاہئے کہ مقصود حیات نہ مال و دولت ہے نہ جاہ و شہرت، نہ لذت و مزہ بلکہ "خلق اللہ کی خدمت" رضائے حق کی خاطر! زندگی صحیح معنی میں وہی کامیاب کہلائے گی جو اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہوا جس نیک بخت نے لذت و شہرت سے قطع نظر کر کے رضائے حق کی خاطر "خلق کی خدمت" کو اپنا مقصود قرار دے لیا وہی صحیح معنی میں کامیاب ہوا گو مالیاب نہ سہی! وہ خلق کی خدمت بھی حق ہی کی رضا و خوشنودی کیلئے

بجا لاتا ہے اور اپنی محنت کا صلہ و اجر حق ہی سے پاتا ہے۔ دنیا میں وہ صلہ کے طور پر راحت و طمانیت کو پاتا ہے جس سے عموماً مال و جاہ کے پجاری محروم ہوتے ہیں!

مذہب کا اثر زندگی کے سنوارنے میں

ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہماری زندگی کے سنوارنے اور مقصود کے پالینے میں رہبری کرتا ہے! مذہب کی رو سے زندگی کا مقصود خدا سے ربط قائم کرنا ہے، حق کی محبت پیدا کرنا ہے، حق کی عبادت ہے۔ اس مقصود کو تم جامی کے دلپذیر اشعار میں یاد رکھو۔

از زندگیم بندگی تست ہوس
بر زندہ دلاں بے تو حرام است نفس
خواہد ز تو مقصود دل خود ہر کس
جامی ز تو نیست جز ہمیں خواہد و بس

یعنی زندگی بندگی کے لئے ہے، بغیر بندگی یا عبادت کے زندگی موت ہے اور زندہ دلوں کے نزدیک جو وقت بھی اس غایت کے حصول میں صرف نہیں ہوتا وہ موت کے مرادف ہے! جب حق تعالیٰ ہی ہمارے مقصود ہیں، معبود ہیں، محبوب ہیں تو پھر صاف ظاہر ہے کہ ہمارا ہر کام ایسا ہونا چاہئے کہ وہ کسی نہ کسی طرح عبادت میں شامل ہو جائے یعنی ان ہی کے حکم کی تعمیل ہو، ان ہی کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر ہو، نفس و ہوئی کی پیروی میں نہ ہو یعنی لذت اندوزی کے لئے نہ ہو، عیش پرستی کے لئے نہ ہو، جاہ طلبی کے لئے نہ ہو! اس طرح جب ہمارے ہر عمل کا محرک رضائے حق ہو جاتا ہے تو پھر عمل خالص ہو جاتا ہے، نیت کی تصحیح ہو جاتی ہے اور ہم حق ہی کی خاطر اور اسی کی خوشنودی کے لئے خدمت کرتے ہیں، کماتے ہیں، کھاتے ہیں، کھلاتے ہیں! ہمارا کوئی فعل محض ذاتی منفعت کی خاطر

نہیں ہوتا، وہ تمام اغراض ذاتیہ سے خالی ہوتا ہے وہی صحیح معنی میں اخلاقی ہوتا ہے، حسن و جمال سے بھرا ہوتا ہے، قوت و توانائی کا مبداء ہوتا ہے، سارا کائنات اس سے مستفید ہوتی ہے اور سارا جہاں اس کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے اور اس کا عکس خود فاعل کی ذات پر پڑتا ہے اور اس کو سراپا نور کر دیتا ہے، دائماً مسرور کر دیتا ہے! وہ اس قول کا مصداق ہو جاتا ہے:

قطرۂ نوری سراپا نور باش
بگذر از غم دائماً مسرور باش (رومی)

راحت و سکون، طمانیت، سکونِ قلب اسی خوش بخت کا حصہ ہے، وہ طیش اور عیش ہر دو حالت میں خوش ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کا ہر فعل رضائے حق کی خاطر ہے اس لئے وہ راہِ صواب پر ہے، اور اس راہ میں جو بھی پیش آئے، خوشی ہو کہ غم، راحت ہو کہ الم، خوش رہتا ہے، پریشان نہیں ہوتا، وہ اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہیں کرتا جو حالت بھی طاری ہوتی ہے اس میں راضی رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ع

ہرچہ از دوست می رسد نیکوست!

وہ اس شخص کو جو زندگی کے اس راز سے واقف نہیں مخاطب کر کے کہتا ہے:

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من
دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

مال و جاہ کا طالب غم و اندوہ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اس کو تباہ کرتے مسلط ہوئی ہیں، حق کا طلبگار غم و اندوہ کے نزول کے وقت بھی عقلی طور پر ہشاش و بشاش رہتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ اس راہ سے بھی

اس کی ترقی ہی مقصود ہے، افکار و پریشانیاں بھی اس کے اخلاقی اعصاب کو توانا کرتی ہیں، اس کی خودی کو بیدار کرتی ہیں! اس کے عمل کی قوت کو جگاتی ہیں وہ اولوالعزمی اور ہمت کے ساتھ جادۂ حق پر گامزن ہوتا ہے اور مجاہد کی طرح دنیوی اور دینی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے!

غرض اس طرح طالب حق کی زندگی "قرب حق" میں بسر ہوتی ہے اور مال و جاہ کے جویا اپنی زندگی "سرگیں خوری" میں بسر کرتے ہیں اور اسکی کثافتوں میں مبتلا رہتے ہیں:

عمر خوش در قرب جاں پروردن است
عمر زاغ از بہر سرگیں خوردن است[45] (رومی)

حلّ اشعار

(نوٹ :- ذیل میں ان اشعار کا حل پیش کیا گیا ہے جو کتاب میں آئے ہیں اور جن اشعار کی توضیح خود متن میں اچھی طرح کر دی گئی ہے ان کو یہاں ترک کر دیا گیا۔ پورا شعر بھی لکھ دیا گیا ہے تاکہ طالب علم اس کو یاد کر لے کیونکہ اخلاقی تصورات کے ذہن نشین کرنے کا ایک مجرب اور موثر طریقہ اخلاقی اشعار کا حفظ کر لینا اور ان کی تکرار ہے جو اشعار پیش کئے گئے ہیں وہ سب منتخبہ اشعار ہیں ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے اپنی آپ نظیر ہیں)

بابِ اوّل

لہ دائم جوانم از ہمت بلند

بلند ہمتی کی وجہ سے میں ہمیشہ جوان ہوں یعنی چونکہ میری ہمت یا حوصلہ بلند ہے اس لئے ہمیشہ جوان محسوس کرتا ہوں اور کسی کام کے کرنے سے ڈرتا نہیں خواہ وہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔

۲؎ مشو تا توانی ز زحمت بری

کہ رحمت برندت چو زحمت بری (سعدی)

جہاں تک تجھ سے ہو سکے محنت اور تکلیف اٹھانے میں دریغ مت کر کیونکہ زحمت کا نتیجہ رحمت (مہربانی و کرم) کی شکل میں نکلتا ہے" یعنی محنت سے زحمت (دکھ درد) ہوتی ہے لیکن دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت و مشقت کے حاصل نہیں ہوتی۔ دنیا کا یہ عالمگیر قانون یاد رکھو اور تمام اچھی چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے محنت کرو مشقت اٹھاؤ۔

۳؎ جہد کن چندے نما تا وارہی

ور تو از جہدش بمانی ابلہی (رومی)

"اگر تو نجات چاہتا ہے تو خوب کوشش کر۔ بغیر کوشش کے نجات حاصل کرنیکا خیال حماقت ہے"۔ یعنی آدمی مصیبت یا تکلیف سے اسی وقت چھوٹ سکتا ہے جب وہ خدا پر بھروسہ کر کے عقلمندی کے ساتھ جدوجہد کرتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور خیال کرنا کہ مصیبت سے نجات مل جائیگی بیوقوفوں کا کام ہے۔

۴؎ یابندگانند جویندگان

جستجو کرنے والے ہی (مقصود) کے پانے والے ہوتے ہیں یعنی کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو جستجو اور طلب میں لگے رہتے ہیں۔ یہ نظامی کا مصرعہ ہے؛ اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ ع چنیں زد مثل شاہ گویندگاں۔ الخ

۵؎ ارباب ہمم را چہ غم از بے پر و بالیست

بال و پر ایں طائفہ از ہمت عالیست (صائب)

"جو لوگ ہمت والے ہوتے ہیں انہیں بے سروسامانی کا کوئی غم نہیں ہوتا ان لوگوں کا سروسامان تو خود ان کی بلند ہمت ہی ہے"۔ یعنی ہمت ہی تمام اسباب کی

فراہم کرنے والی، مشکلوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ ہمت نہ ہو تو کچھ نہیں، ہمت ہو تو سب کچھ ہے۔

باب (۲)

۷۶ اے دل صبور باش، مخور غم کہ عاقبت
این شام صبح گردد این شب سحر شود (حافظ)

اے دل صبر کر اور غم نہ کر، بالآخر یہ شام ختم ہوگی اور صبح نکل آئیگی، رات گزر جائے گی اور سحر نمایاں ہوگی"۔ یعنی ہر مصیبت کا وقت معین ہوتا ہے، اس وقت کے ختم ہو جانے کے بعد مصیبت بھی ٹل جاتی ہے اور راحت کا چہرہ دکھائی دیتا ہے، انسان کو چاہیئے کہ بلاؤں میں پریشان نہ ہو جائے، صبر و استقلال سے کام لے۔

۷۷ جہان ما جز انگارہ نیست
اسیر انقلاب صبح و شام است
ز سوہان قضا ہموار گردد
ہنوز این پیکر گل ناتمام است (اقبال)

"ہماری یہ دنیا آگ کے دہکتے ٹکڑے کے مانند ہے اور صبح و شام ہر دم اسمیں انقلاب ہو رہا ہے (دیکھو آگ میں ہر لحظہ تغیر ہوتا ہے، یہ ساکن نہیں ہوتی) ہماری شخصیت کی ابھی تکمیل نہیں ہوئی ہے، اس کی خامی اور کجی شدائد و مصائب کے نزول ہی سے رفع ہو سکتی ہے۔ جب انسان پر مصیبت آتی ہے تو وہ اس کے دور کرنے کے لئے ہمت اور جرأت سے کام لیتا ہے اس طرح اخلاقی خوبیاں مصیبت ہی کی وجہ سے اس میں پیدا ہوتی ہیں اور خامیاں دور ہوتی ہیں، یہی

معنی ہیں خودی یا شخصیت کی تکمیل کے۔

۵۸ کسیکہ عیب ترا پیش چشم بنگارد
ببوس دیدۂ اورا کہ بر تو حق دارد! (صائب)

"جو شخص کہ تیرا عیب تجھ پر ظاہر کرتا ہے (وہ ترا محسن ہے اس لئے) تجھے اس کی آنکھوں کا بوسہ لینا چاہئے (اس سے محبت کرنی چاہیئے کیونکہ احسان کا بدلہ محبت ہی ہوتا ہے) یہ اس کا حق ہے۔ اخلاقی عیب گویا ایک قسم کی نجاست ہے! اگر کوئی شخص تمہیں بتلائے کہ دیکھو تمھارے دامن پر غلاظت لگی ہوئی ہے تو کیا تم ایسے ایسے شخص کو بُرا بھلا کہو گے یا اس کا شکریہ ادا کرو گے اور اپنے دامن کی غلاظت کو دھو ڈالو گے؟

۵۹ آں روز ترا نخل بر و مند تواں گفت
کز ہر کہ خوری سنگ عوض میوہ فشانی (صائب)

"اسی روز تجھے پھل دار درخت کہا جائے گا جب تو پتھر مارنے والے کے جواب میں اپنا پھل پیش کریگا"۔ متن میں اس شعر کی توضیح کی گئی۔

۶۰ ہر کسے در رہ من خارے نہد من گل نہم
او سزائے خار یابد من جزائے گل برم

"جو شخص میرے راستہ میں کانٹے ڈالتا ہے میں اس کی راہ میں پھول بچھاتا ہوں (کیونکہ میں جانتا ہوں کہ) اس کو اپنے فعل کی سزا ملے گی اور مجھے اپنے فعل کی؛ کانٹے بونے والا اپنی سزا پائے بغیر نہیں رہ سکتا اور جو شخص کہ احسان اور عفو سے کام لیتا ہے اس کو اس کی نیکی کی جزا بھی ضرور ملکر رہے گی۔

۶۱۔ ظاہر و باطن او گوہر و عنبر باشد

"اس کا ظاہر و باطن موتیوں اور عنبر کی سی خوشبودار چیزوں سے بھرا ہوا ہے"

صائب کا شعر ہے:

ہر کہ چوں بحر بہ تلخی گزراند ایامش
ظاہر و باطن او گوہر و عنبر باشد

یعنی جس شخص کے دن سمندر کی طرح پیچ و تاب کی تلخیوں میں بسر ہوتے ہیں اس کا ظاہر و باطن گوہر و عنبر سے مالا مال ہوتا ہے۔

باب (۳)

۱۲ نکشد سر بگریبان خجالت صائب
ہر کہ امروز در اندیشۂ فردا باشد

"وہ شخص شرمندہ نہیں ہوتا جو آج کے دن کل کا خیال رکھتا ہے" یعنی اپنے ہر فعل کے نتائج کا خیال رکھ کر کام کرتا ہے یعنی دور اندیش اور مصلحت بین ہوتا ہے صرف حال ہی کی نہیں سوچتا بلکہ مستقبل کا بھی خیال رکھتا ہے۔

۱۳ من از قدم سعی بمقصود رسیدم
ہر آبلہ پائے مرا قبلہ نما شد! (غنی)

"میں اپنے مقصد تک کوشش ہی سے پہنچا، راستہ طے کرنے میں جو چھالے میرے پاؤں میں پڑے ان ہی کو میں نے اپنا قبلہ نما، اپنا وسیلہ راہ قرار دیا" یعنی مقصود تک پہنچنا بغیر کوشش کے ممکن نہیں، راہ میں جو رکاوٹیں پیش آئیں تکالیف کا سامنا ہو ان سے گھبرا کر کوشش ترک نہ کر دینی چاہئے بلکہ ان کو اور زیادہ سعی و کوشش کا محرک قرار دینا چاہئے اور قدم آگے بڑھائے جانا چاہئے۔ کامیابی اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔

۱۴ـ پا چنہ بروں از حدِ خویش تا بینا شوی
نیست حاجت عصا در خانہ خود کور را

اپنے حدود کے آگے نہ بڑھ، دیکھ کہ اندھے کو بھی اپنے گھر میں (اپنے حدود میں) عصا کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی یعنی جب آدمی اپنے حدود ہی میں رہتا ہے تو وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا، حد سے بڑھا کہ اس کو احتیاج پیش آئی، عقلمندی کا شیوہ یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اپنی طاقت وہمت کے مطابق ہو، اپنی قابلیتوں کا اندازہ کرکے کسی کام پر ہاتھ ڈالنا چاہیئے، ایسا شخص ناکامی کی صورت نہیں دیکھتا اس کو حیرانی وپریشانی اٹھانی نہیں پڑتی، طاقت وسکون نصیب ہوتا ہے۔

باب (۴)

۱۵ـ آنکہ مصرف می کنی پیدا برائے سیم و زر
کاش نقدِ وقت را ہم مصرفے پیدا کنی

اُے شخص جو سونے چاندی کے خرچ کرنے کے موقعے تلاش کرتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ تو وقت جیسی قیمتی چیز کے صرف کرنے کا موقع بھی تلاش کرلیتا! یعنی جس طرح سونے چاندی کو کوئی شخص رائیگاں نہیں کرتا۔ اسی طرح وقت کو بھی کسی طرح ضائع نہ کرنا چاہیے۔

باب (۵)

۱۶ـ خانۂ ہرکہ باندازہ بود چوں زنبور
ہمہ ایام حیاتش بحلاوت گزرد (صائب)

جس شخص کے گھر کی بناء شہد کی مکھی کے گھر کی طرح اعتدال پر قائم ہوتی ہے

(یعنی اپنے کاروبار میں اعتدال اور اوسط کو پیش نظر رکھتا ہے) اس کی زندگی مسرت اور اطمینان سے گزرتی ہے (کیونکہ وہ ہر شے کی عمدہ جہت کو اختیار کر لیتا ہے جو جہت اعتدال ہے اور افراط و تفریط سے بچ جاتا ہے جو ضرر کا پہلو ہے)

۱۷ۂ کاسہ بر کاسہ است و نان بر نان بدام
ازبرائے این شکم خواران عام! (رومی)

ان پیٹ کے بندوں کے لئے پیالہ پر پیالہ ہے اور روٹی پر روٹی' یعنی ان کا کام صرف کھانا اور پینا ہے اور حیوان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے' زندگی کی غایت و مقصد سے یہ ناواقف ہیں۔

۱۸ۂ اندروں از طعام خالی دار
تا دروں نور معرفت بینی!

اپنے پیٹ کو کھانے سے خالی رکھ "تاکہ تیرے باطن میں عرفان کا نور پیدا ہو"! (توضیح متن کتاب میں کی گئی ہے)

۱۹ۂ تہی ز حکمتے بعلت آں
کہ پری از طعام تابینی

تو حکمت و علم سے اس لئے خالی ہے کہ تیرا پیٹ غذا سے ناک تک بھرا ہوا ہے۔ (توضیح متن کتاب میں کی گئی ہے)

۲۰ۂ تنک ظرفے کہ گرد مست می باشد خراب آخر
برنگ گل شود صد پارہ این کشتی بآب آخر (شوکت)

جو کم ظرف شراب پی کر مست ہو جاتا ہے وہ بالآخر تباہ ہو جاتا ہے' اس کے (جسم) کی کشتی پانی (شراب کے ضرر سے) پھول کی پتیوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔

۱۲۱ ببیں کہ فتنۂ عالم زیادہ میسزاید
بصد ہزار غم آبستن است مادر عیش!

دیکھ کہ شراب ہی کی وجہ سے دنیا میں فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے، جو خوشی کہ شراب کے پینے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کے بطن میں ہزاروں غم و الم بھی موجود ہوتے ہیں جو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پیدا ہونے لگتے ہیں! یعنی شراب سے جو سرور پیدا ہوتا ہے وہ بالکل فانی ہوتا ہے اور جو غم والم اس کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوتے ہیں وہ دیرپا اور تباہ کن ہوتے ہیں۔

باب (۶)

۱۲۲ بیا ہو نسبت کیمیائے سعادت
ز ہم صحبت بد جدائی جدائی! (سعدی)

میں تجھے سعادت کے حصول کے لئے نسخہ سکھلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یار بد سے دور رہ، اس کی صحبت اختیار نہ کر کیونکہ اس کی خو بو قطعی تجھ میں پیدا ہوگی اور تو بھی اس کی طرح بد ہو کر رہے گا۔

۱۲۳۔ گر در دل تو گل گزرد گل باشی
ور بلبل بیقرار بلبل باشی! (جامی)

اگر تیرے دل میں گل کا خیال جاری ہے تو تو بھی پھول کی طرح شگفتہ خاطر رہے گا۔ اور اگر بلبل بیقرار کی یاد غالب رہے تو بے چینی و بیقراری کے آثار نمایاں ہو جائیں گے، لہذا تجھے اپنے قلب کی حفاظت کرنی چاہئے کہ کوئی سلبی خیال قبضہ نہ کرنے پائے اور وہ ایجابی خیالات کا مسکن بنا رہے۔
(متن میں مزید صراحت دیکھو)

باب ۷

۴۴ھ بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

یعنی ہر شخص اپنی عقل کے مطابق ہی چیزوں کا ادراک کرتا ہے، دیکھو بلی بھی اپنی صورت آئینہ میں دیکھتی ہے اور تم بھی اپنی صورت آئینہ میں دیکھتے ہو بلی سمجھتی ہے کہ آئینہ کی دوسری جانب واقعی دوسری بلی بیٹھی ہے، لیکن تم جانتے ہو کہ تمھارا ہی عکس آئینہ میں آرہا ہے، یہی معنی ہیں بقدر دانش ادراک اشیاء کے۔

۴۵ھ در جنگ می کند لب خاموش کار تیغ
دادن جواب مردم نادان چہ حاجت است (صائب)

یعنی جنگ کے موقع پر (بعض دفعہ) خاموشی بھی تلوار کا کام کر جاتی ہے اس لئے نادانوں، یا جاہلوں کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں، خموشی خود دنداں شکن جواب ہے۔

۴۶ھ طالب حکمت شو از مرد حکیم
تا از و گردی تو بینا و علیم! (مثنوی)

جاننے والے سے تو علم و حکمت حاصل کرتا کہ اس کی تعلیم سے تو عالم اور روشن چشم ہو جائے (ظاہر ہے کہ جہل رفع ہوتا ہے علم سے، ظلمت دور ہوتی ہے نور سے، جب تک کہ انسان علم و نور کے مبداء کی طرف توجہ نہ کرے نہ اس کا جہل دور ہو سکتا ہے اور نہ اس کی ظلمت)

۴۷ھ بصورت ہمہ آدمی پیکر اند
بسیرت بسی کم ز گاو خر اند (حزیں)

صورت میں تو وہ آدمی جیسے نظر آتے ہیں لیکن سیرت اور خصلت کے اعتبار سے وہ گائے بیل کے مشابہ ہیں، یعنی اگر انسان میں انسانیت کے فضائل اور صفات نہ ہوں بلکہ حیوانوں کی سی خصلتیں اور عادتیں ہوں تو اسے حقیقی معنی کے اعتبار سے انسان کہنا درست نہ ہوگا۔

باب (۸)

شعر ۲۸ نیازارم از خود ہرگز دلے

کہ ترسم در او جائے تو باشد

یعنی میں کسی کے دل کو نہیں دکھاتا کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ دل تیرے رہنے کا مقام ہے۔ (یوں تو خدا کسی مقام یا مکان میں محدود نہیں لیکن تمام مذاہب کا یہ متفقہ بیان ہے کہ خدا کی تجلی کا مقام زیادہ تر انسان ہی کا قلب ہے، اس لئے کسی کے قلب کو تکلیف پہنچانا گویا خدا ہی کو اذیت پہنچانا ہے، لہذا آزار رسانی سے پرہیز کرنا لازمی ہے)

شعر ۲۹ میازار مورے کہ دانہ کش است

کہ جاں دارد و جان شیریں خوش است (فردوسی)

چیونٹی کو جو دانہ دانہ جمع کرتی ہے بہت ستا کیونکہ وہ جان رکھتی ہے اور ہر جاندار کو اس کی اپنی جان محبوب ہوتی ہے۔

شعر ۳۰ تار و پود موج ایں دریا بہم پیوستہ است

میفزند برہم جہاں را ہر کہ یک دل بشکند (صائب)

(جہان کی مثال ایک دریا سے دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ) اس دریا کی موجیں ایک دوسرے سے بالکل ملی جلی ہوئی ہیں (تو جس طرح ایک موج کا

متاثر ہونا دوسری روح کو بھی متاثر کردیتا ہے اسی طرح) دنیا میں ایک دل اگر
رنج وغم سے متاثر ہو تو اس کا اثر ضرور دوسرے دلوں تک بھی پہنچتا ہے لہذا
کسی کے دل کو آزار پہنچانے سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے۔

۳۱ے از شکست خاطر نازک دلاں ایمن مباش
شیشہ را چوں بشکنی ہر ذرہ آں خنجر است (صائب)

یعنی لوگوں کی دلشکنی کر کے آدمی بے فکر نہیں ہو سکتا کیونکہ دلوں کی مثال
شیشہ کی سی ہے جب شیشہ ٹوٹتا ہے تو اس کا ہر ٹکڑا خنجر کی طرح تیز ہو جاتا ہے اور
اپنا کام کرسکتا ہے۔

۳۲ے بدی کنی و نیک طمع داری
ہم بد باشد سزائے بدکرداری
با آنکہ خداوند کریم است و رحیم (رومی)
گندم ندہد بار چو جو می کاری

یعنی تو بدی کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ نتیجہ اچھا نکلے گا' ایسا نہیں ہوتا
بدی کی سزا بھی بُری ہوتی ہے' مثال پر غور کرو کہ حق تعالیٰ باوجود رحیم و کریم ہونے
کے ایسا تو نہیں کرتے کہ جو شخص جَو بوتا ہے اس کو گیہوں کا پودا عطا کرتے ہوں
جَو کا بیج جَو کے پودے ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ گیہوں کے پودے کی صورت
میں نہیں' قانون الٰہی کی شکست ممکن نہیں (توضیح کے لئے متن دیکھو)

۳۳ے ظالم کہ کباب از دل درویش خورد
چوں در نگری ز پہلوئے خویش خورد
دنیا عسل است ہر کہ او بیش خورد
خوں افزاید تب آورد نیش خورد

یعنی ظالم جو درویش پر ظلم کرتا ہے اور گویا اس کے دل کا کباب بناتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ خود اپنے ہی دل کا کباب کھا رہا ہے (یعنی ظلم کا نتیجہ قطعاً عذاب، تکلیف و رنج کی صورت میں اس کو اسی دنیا میں مل جاتا ہے، دوسروں کو ستا کر آدمی خود آرام سے نہیں رہتا) دنیا کی مثال شہد کی سی ہے جو شخص شہد اندازہ سے زیادہ کھا لیتا ہے (اس کے بُرے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا) اس کا خون بڑھ جاتا ہے، اس کو بخار چڑھ آتا ہے اور (شہد کے حاصل کرنے میں اس کو) ڈنک بھی کھانا پڑتا ہے۔

باب (۹)

۳۴ رہا کن رہے کاں زیاں آورد

زہ بدخلل در کماں آورد (نظامی)

وہ راستہ اختیار نہ کرو جس سے ضرر ہو، دیکھو اگر کمان کا چلہ خراب ہو جائے تو کمان میں خلل آ جاتا ہے اور وہ اپنا کام اچھی طرح نہیں کر سکتی، نشانہ درست نہیں رہتا۔ جو راستہ خراب ہوتا ہے وہ مقصود کی طرف رہبری نہیں کرتا، اس کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔

۳۵ می گریزد ضدہا از ضدہا

شب گریزد چوں برافروزد ضیا (رومی)

ضد سے ضد بھاگتا ہے (مثال کی طور پر دیکھو) تاریکی روشنی کے آنے سے دفع ہو جاتی ہے۔

باب (۱۰)

۳۶ سرکہ در راہ عزیزاں بود
بارگراں است کشیدن بدوش! (سعدی)

جو سر کہ دوستوں کے لئے کام نہ آئے، اس کا کاندھوں پر اٹھائے پھرنا بھی ایک بوجھ ہے۔

۳۷ معنی یکیست گرچہ صُوَر مختلف افتاد
ایں نکتہ را قیاس ز بحر و حباب کن! (جامی)

گو صورتیں جدا جدا ہوں لیکن حقیقت ایک ہوسکتی ہے، اس نکتہ کو سمجھنا ہو تو سمندر اور حباب پر غور کرو کہ حباب شکل وصورت میں چھوٹے بڑے مختلف ہوتے ہیں لیکن سب کی حقیقت وہی سمندر کا پانی ہے۔

۳۸ روشن شود چراغ دل ما زیک دگر
چوں رشتہائے شمع بہم زندہ ایم

ہمارے دل کے چراغ (خارجی چراغوں کی طرح) ایک دوسرے سے روشن ہوتے رہتے ہیں ان چراغوں کی طرح ہماری زندگی بھی ایک دوسرے کی محتاج ہے۔

۳۹ از محبت تلخ ہا شیریں شود
وز محبت مسہا زریں شود الخ

(۱) محبت سے تلخ چیزیں میٹھی بن جاتی ہیں اور محبت ہی سے تانبا سونا ہوجاتا ہے۔

(۲) محبت سے تلچھٹ بھی صاف ہو جاتی ہے اور محبت سے درد شفا بن

ہوتے ہیں۔

(۳) محبت سے کانٹے پھول بن جاتے ہیں اور محبت سے سرکہ بھی شراب بن جاتا ہے۔

(۴) محبت سے قیدر خانہ بھی باغ کی شکل میں بدل جاتا ہے اور بغیر محبت کے باغ بھی بھٹی بن جاتا ہے۔

(۵) محبت سے آگ بھی نور کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور محبت سے شیطان بھی حور نظر آنے لگتا ہے۔

(۶) محبت سے غم خوشی میں بدل جاتا ہے اور محبت کی وجہ سے غول بھی (دیو یا جن) جس کا کام بہکانا ہے راہ ہدایت کی نشاندہی کرتا ہے۔

(۷) محبت سے کانٹا بھی آب حیات کا کام دیتا ہے اور محبت کا اثر ہے کہ شیر بھی چوہا بن جاتا ہے (مطیع و فرماں بردار ہو جاتا ہے)

(۸) محبت سے بیماری صحت میں بدل جاتی ہے اور محبت ہی سے قہر رحمت کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

(۹) محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے اور محبت ہی کا اثر ہے کہ بادشاہ غلامی اختیار کرلیتا ہے

باب (۱۱)

نمبر ۱
خرد مند مردم ہنر پرور اند
کہ تن پروراں از ہنر لاغر اند (سعدی)

عقلمند ہنر پرور لوگ ہوتے ہیں اور جو لوگ پیٹ کے بندے ہیں وہ ہنر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور بے ہنر رہ جاتے ہیں۔ ہنر کے معنی پیشہ کے ہیں

ہر عقلمند کسی نہ کسی پیشہ کو جو اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق ہو اختیار کر لیتا ہے اور تن پرور لذت کے تعاقب میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کسی پیشہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

۱۴۱ جہاں از پئے شادیٔ دل خوشی است
نہ از بہر بیداد و محنت کشی است

یعنی دنیا خوشی اور مسرت کے لئے بنائی گئی ہے نہ کہ اظہار ستم اور محنت و غم کے لئے، یہ لذتیہ کا نقطۂ نظر ہے۔

۱۴۲ از زندگیم بندگی تست ہوس
بر زندہ دلاں بے تو حرام است نفس
خواہد ز تو مقصود دل خود ہر کس (جامی)
جامی ز تو ہمیں ترا می خواہد و بس

یعنی زندگی بندگی یا عبادت کے لئے ہے، زندہ دلوں کے نزدیک جو سانس بھی اس غایت کے حصول میں صرف نہیں ہوتا وہ حرام اور ناجائز ہے ہر شخص اے خدا تجھ سے اپنے دل کی مراد مانگتا ہے لیکن جامی کا مطلوب و محبوب تو ہی ہے اور وہ تجھ سے تجھ ہی کو مانگتا ہے!

۱۴۳ قطرۂ نوری سراپا نور باش
یکقلم از غم دائماً مسرور باش (رومی)

یعنی اے انسان تو دراصل نور (الٰہی) کی ایک بوند ہے، سراپا نور بنا رہ تجھے غم سے کیا تعلق ہمیشہ شاد اور مسرور رہ!

۱۴۴ ناخوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من (رومی)

اے مخاطب تیرے لئے جو چیز ناخوشگوار ہے وہ میری جان کے لئے خوشگوار اور پسندیدہ ہے (چونکہ اس کا نزول میرے رحیم وکریم خدا کی طرف سے ہو رہا ہے لہٰذا) میرا دل اور میری جان میرے محبوب پر جو مجھے رنج پہنچانا (کسی حکمت کی باعث) ضروری سمجھتا ہے قربان ہیں۔

۴۶۵ عمر خوش در قرب جاں پروردن است

عمر زاغ از بہر سرگیں خوردن است (رومی)

عمر تو اس شخص کی اچھی گزر رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں اس کو بسر کر رہا ہے، کوّے کی عمر تو گوہ کھانے میں بسر ہوتی ہے اس کو پاک چیزوں سے کہاں محبت ہوتی ہے۔

رسالۂ اخلاقیاتؒ

جماعتِ دہم

کے

پرچہ جات سوالات

(۱) استقامت و استقلال

(۱) استقامت کے مفہوم کی مثالوں کے ذریعہ وضاحت کرو۔

(۲) ناکامی اور نامرادی کی صورت میں استقلال اور دوبارہ عمل کی ضرورت پر بحث کرو۔

(۳) قانون ابتلا کی خوبیوں کی وضاحت میں مشاہیر عالم کی زندگیوں سے مثالیں پیش کرو۔

(۴) زندگی کی مختلف مشکلات پر غالب آنے کے لئے تم استقامت و استقلال سے کس طرح کام لوگے؟

(۵) ثابت کرو کہ زندگی کی کامیابی کا راز استقامت و استقلال میں پوشیدہ ہے۔

(۲) صبر

(۱) زندگی کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس کے حاصل کرنے میں صبر کی کیوں ضرورت ہے؟

(۲) اس امر کو کیونکر ثابت کروگے کہ "بلا حقیقت میں عطا ہوتی ہے"۔

(۳) دلائل سے ثابت کرو کہ صبر "عفو و کرم" سکھاتا ہے جس سے ذہنی اور جسمانی تکلیفیں دور ہوتی ہیں۔

(۴) اپنی روزمرہ زندگی کے فرائض میں صبر سے کام لینے کی چند

صورتیں بیان کر کے ان کے فوائد بھی قلمبند کرو۔

(۵) "کینہ و غضب کے جذبات کا نتیجہ غم و الم ہوتا ہے اور صبر و شکر سکون و چین کا سرچشمہ ہے"۔ اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرو۔

(۳) مصلحت بینی و دُور اندیشی

(۱) مخلوقات میں انسان کو شرف کیوں حاصل ہے؟ اور وہ اس شرف کو کیونکر قائم رکھ سکتا ہے۔

(۲) رزق کے معاملہ میں ایجابی یقین کی ضرورت کیوں ہے؟ مفصل بحث کرو۔

(۳) آمدنی سے کم خرچ کرنے کی ضرورت، خوبی اور فائدے مثالوں کے ساتھ بیان کرو۔

(۴) زندگی میں پس اندازی اور پھر اندوختہ کو محفوظ اور منفعت بخش کاروبار میں لگانے کی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے ان کے فوائد بھی بیان کرو۔

(۵) اس عالم اسباب میں کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو مصلحت بینی اور دور اندیشی سے قدم قدم پر کام لینے کی ضرورت ہے اس پر اپنے معلومات قلمبند کرو۔

(۴) اوقاتِ فرصت کا صحیح استعمال

(۱) اوقات فرصت کے صحیح مفہوم کی مثالوں کے ساتھ وضاحت کرو۔

(۲) استراحت کی ضرورت اور اس کے مختلف طریقوں پر فوائد کو پیش نظر رکھ کر بحث کرو۔

(۳) دلائل سے ثابت کرو کہ "تفریح جس قدر طفلانہ ہوگی اسی قدر قیمتی بھی ہوگی"۔

(۴) کیا کام بدل دینا استراحت کی ایک بہتر صورت ہے۔ اپنے بیان کی تائید میں اوروں کی زندگی کی مثالیں پیش کرو۔

(۵) انسان کی زندگی کو خوش گوار، پرسکون اور فیض رساں بنانے میں اوقات فرصت کے صحیح استعمال کو جو دخل ہے اس پر تفصیل سے بحث کرو۔

(۵) اعتدال و پرہیزگاری

(۱) جسم و روح کے باہمی تعلق کو مثال کی صورت میں بیان کرو اور یہ بھی بتاؤ کہ کس کو کس پر کیوں برتری حاصل ہے؟

(۲) اخلاقی نقطہ نظر سے غذا میں لذت کے پہلو کی ضرورت اور اہمیت پر مفصل بحث کرو۔

(۳) صحت برقرار رکھنے کے لئے جب غذا کی ضرورت ناگزیر ہے تو پھر پرخوری کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ تمھارا بیان بلادلیل نہ ہونا چاہئے۔

(۴) زندگی کے ہر ایک کام میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کو پیش نظر رکھنا کیوں ضروری ہے؟

(۵) شراب نوشی انسان کے کن کن اعضاء پر کون کون سے مضر اثر

ڈالتی ہے اور اس سے پرہیزگاری کس درجہ متاثر ہوتی ہے۔

(٦) شراب نوشی کی روک تھام اور اس کے مٹانے کے لئے جو کوششیں حکومت کی طرف سے عمل میں آرہی ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے اس امر پر بھی کافی روشنی ڈالو کہ ایک اچھے شہری کے اس خصوص میں کیا فرائض ہونے چاہئیں۔

(۷) اعتدال اور پرہیزگاری کے صحیح مفہوم کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے یہ بتاؤ کہ اچھے کام تو اچھے ہی ہوتے ہیں کیا ان میں بھی اعتدال کی ضرورت ہے۔ اگر نہ ہو تو کون کون سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(٦) عفت و پاکبازی

(۱) جبلت کسے کہتے ہیں؟ انسان کی جبلی قوتوں میں شہوت جنسی کو جو اہمیت حاصل ہے اس پر سیر حاصل تبصرہ کرو۔

(۲) زمانہ بلوغ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بتلاؤ کہ اس زمانہ میں نوجوانوں کو امور جنسی سے واقف کرا دینا کیوں ضروری ہے

(۳) عفت و پاکبازی کے لئے بری صحبت سے بچنا اور خیالات کو پاک رکھنا کیوں ضروری ہے؟

(۴) عفت و پاکبازی کو برقرار رکھنے کی کون کون سی صورتیں ہیں اور ان پر عمل کرنے میں عموماً کیا کیا مشکلیں پیش آتی ہیں؟ تمہاری رائے میں ان کا صحیح اور آسان حل کیا ہے؟

(۵) ان بیاہی زندگی میں جنسی جبلت کا ارتفاع کیوں ضروری ہے اور جذبات کی تشفی کے لئے مناسب حال صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

(۶) "عفت و پاکبازی انسانی زندگی کا زیور ہے"۔ اس سے زندگی کو سنوارنے اور اس کے حسن کو برقرار رکھنے کی مختلف صورتیں اس طرح بیان کرو کہ بدصورتی کے دھبوں کو دور کرنے کے ضروری طریقوں کی بھی وضاحت ہو جائے۔

(۷) رواداری

(۱) رواداری کے حقیقی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اس کا حق اور فرض ہونا اس طرح ثابت کرو کہ رواداری شخص کا طریقہ عمل بھی ظاہر ہو جائے۔

(۲) مخالف کی بات کو خرابی پیدا کرنے کے بغیر ٹھنڈے دل سے سُن لینے کا طریقہ اور اس کے فائدے بیان کرو۔

(۳) "تفصیلات کو قربان کر کے اصول کے بچانے" اور "مخالف کی بے ضرر رعایت کرنے" میں رواداری کے جو نکات پوشیدہ ہیں ان کو ظاہر اور حق بجانب ثابت کرتے ہوئے بنجامن فرانکلن کا طریقہ عمل بیان کرو۔

(۴) ثابت کرو کہ حقیقی رواداری کی بنیاد گھر کی چار دیواری میں پڑتی اور مستحکم ہوتی ہے جس کے بعد سوسائٹی میں زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

(۵) اختلاف مذہب و ملت کے باوجود انسان کو متمدن زندگی بسر کرنے میں قدم قدم پر جو مواقع پیش آتے ہیں ان کو گناتے ہوئے اس کو رحمت و نعمت ثابت کرو۔

لت
(۸) عدا

(۱) عدالت کی تعریف کرتے ہوئے زندگی کے مختلف مفادات کی مثالوں کے ساتھ واضح کرو۔

(۲) عدالت کی خوبی اور ظلم کی برائی کو پیش نظر رکھ کر زندگی کے مفادات کو کس طرح حاصل کرنا چاہئے۔ مدلل بحث کرو۔

(۳) "دوسروں کے درد کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو خود بھی درد میں مبتلا ہوا ہو۔" اس حکیمانہ قول کی روشنی میں انصاف اور دادرسی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرو۔

(۴) ظالم کے ظلم اور مظلوم کے ردعمل کا باہمی مقابلہ کرو اور اس سے معاشری زندگی پر اثر انداز ہونے والے مختلف نتائج کا اظہار کرو۔

(۵) سزا کے اصل منشاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان کرو کہ عدالتی سزائیں مجرم کو ارتکاب جرم سے کیوں باز نہیں رکھتیں؟

(۶) مملکت کا قانون جن جرائم کا انسداد کرنے سے قاصر ہوتا ہے ان کے متعلق افراد مملکت کے حقوق و فرائض کیا ہونے چاہئیں؟

(۷) متمدن زندگی میں شیر و شکر بن کر رہنے والے انسان کو عدالتی داد خواہی و دادرسی کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟ اس کے اثرات و نتائج کیا ہوتے ہیں۔ دلیلوں اور قانون کی روشنی میں بحث کرو۔

(۹) اصلاحِ معاشری

(۱) رسم و رواج کی وضاحت کرتے ہوئے ثابت کرو کہ اخلاق کی ابتداء ان ہی سے ہوتی ہے۔

(۲) قانون کی پابندی اور رسم و رواج کی پابندی کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے ان کے نتائج سے بحث کرو۔

(۳) رسم و رواج کے پیدا ہونے کے مختلف اسباب بیان کرکے ان کا نفسیاتی اثر بھی ظاہر کرو۔

(۴) رسم و رواج کا اثر مذہب کے اثر سے بھی زیادہ کیوں ہوتا ہے؟ اپنے بیان کی تائید میں چند واقعات بھی بیان کرو۔

(۵) تباہ کن رسوم کے چند موثر علاج اور تدبیریں بیان کرو۔

(۶) انسانی زندگی میں رسم و رواج کو جو دخل اور اہمیت حاصل ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر ایسی سیرحاصل بحث کرو کہ نفع و نقصان سے متعلق کوئی امر پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

(۱۰) اخوّت

(۱) اخوت کے مفہوم اور اس کی بنیاد کی وضاحت کرکے مختلف تحدیدات پر روشنی ڈالو۔

(۲) اخوت و محبت کے اثرات بتاتے ہوئے اقوام میں اخوت کی ضرورت

بحث کرو۔

(۳) جنگ کی تباہ کاریاں ظاہر کرتے ہوئے ان کے صحیح احساس کا طریقہ اور رفع کرنے کی تدبیریں بیان کرو۔

(۴) تمدن کے لئے جنگ موجب رحمت ہے یا باعث زحمت؟

(۵) اخوت کی ہمہ گیر قوت و ضرورت پر سیر حاصل بحث کرو۔

(۱۱) پیشے کا انتخاب

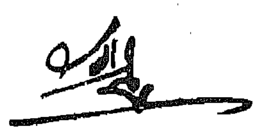
(۱) انسانی زندگی میں پیشے کا انتخاب کیوں اہم ہے؟

(۲) پیشے کے انتخاب میں صحیح اور غلط اعتبارات کی وضاحت کرتے ہوئے صلاحیتوں کی جانچ اور طریقہ بھی بیان کرو۔

(۳) انسانی زندگی کے غلط مقصودات کیا ہیں اور ان سے زندگی میں کون کون سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۴) زندگی کے سنوارنے میں مذہب کے مختلف اثرات کو بیان کرتے ہوئے ان کے نتائج سے بھی بحث کرو۔

(۵) اگر تم کو اپنی زندگی میں پیشے کا انتخاب کرنا پڑے تو تم کن اصولوں کو پیش نظر رکھ کر اس کو منتخب کرو گے۔



مطبوعہ دارالطباعت ''رہبر دکن'' کونچہ سشتکر باغ